# باب 4

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ

# سوانح حیات
حصّہ دوئم

غوث المعظم رہبر اعظم طریقت نسبت رسولی ﷺ

اعلیٰ حضرت الحاج پیر **نظیر احمد** رحمتہ اللہ علیہ

المعروف بہ سرکار موہڑویؒ

دربارِ عالیہ موہڑہ شریف۔ تحصیل مری۔ ضلع راولپنڈی
پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فہرست مضامین


| نمبر شمار | مضمون | صفحہ نمبر | نمبر شمار | مضمون | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|---|---|
| 1 | علومِ دین کا حصول | 142 | 16 | انگریزی تہذیب کا نفوذ | 156 |
| 2 | انسانی خدمت | 142 | 17 | سنڈا کے مُلّا صاحب | 157 |
| 3 | موجودہ حالات | 143 | 18 | سوات اور انگریزی حکومت | 158 |
| 4 | غارِ حرا کی حقیقت | 143 | 19 | حقیقتِ توکّل | 159 |
| 5 | روحانیت کی ضرورت | 144 | 20 | حاجی صاحب ترنگ زئی | 162 |
| 6 | انگریز کی پالیسی | 144 | 21 | والئ ریاست سوات کا ظلم | 162 |
| 7 | ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف | 145 | 22 | علاقہ غیر میں ریاست کا قیام | 163 |
| 8 | دشمنوں کی حکمت عملی | 146 | 23 | گورنر پیئرز کی کارروائی | 163 |
| 9 | ہندوؤں کا گورو کل | 146 | 24 | جہاد کی حقیقت | 164 |
| 10 | قوتِ ارادی یا قوتِ فاعلہ | 147 | 25 | گورنر پیئرز سے ملاقات | 165 |
| 11 | استدراجی علوم | 149 | 26 | گورنر پیئرز کی موت | 168 |
| 12 | صوفی کل کا منصوبہ | 152 | 27 | بیعتِ سلطانی | 169 |
| 13 | جنگِ عظیم اور مسلمانوں کی بھرتی | 154 | 28 | سوات سے جنگ | 170 |
| 14 | موہڑہ شریف میں دربار | 155 | 29 | خلاف پروپیگنڈا | 173 |
| 15 | صوفی کل کی مخالفت | 155 | 30 | انتظامِ حکومت | 175 |

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ نمبر | نمبر شمار | مضمون | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|---|---|
| 31 | گورنر گریفتھ کی کاروائی | 185 | 39 | حضرت ابراہیم ادہمؒ کا واقعہ | 195 |
| 32 | صاحبزادہ عبدالقیوم کا کردار | 187 | 40 | بادشاہت کو ترک کرنا | 198 |
| 33 | سکندر مرزا ڈپٹی کمشنر ہزارہ | 189 | 41 | مسجد شہید گنج لاہور کا تنازع | 199 |
| 34 | متعلقہ افسران | 190 | 42 | جنرل وِگرم | 201 |
| 35 | ملکی حالات | 191 | 43 | فاختہ کا شکار | 204 |
| 36 | ہمارا اصل پروگرام | 193 | 44 | سرہند شریف کی حاضری | 205 |
| 37 | موہڑہ شریف کی حاضری | 194 | 45 | انگریز حکومت کی فنا | 206 |
| 38 | بادشاہت یا فقیری | 194 | 46 | معروضاتِ مؤلف | 207 |

**نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم**

**سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ** ﴿البقرۃ:32﴾

''تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بے شک
تو دانا اور حکمت والا ہے''

## علومِ دین کا حصول

میں نے جب علومِ دین کو حاصل کیا اور عربی علوم سے گزر کر علم مخلوق کی طرف متوجہ ہوا تو اس کی پہلی منزل ریاضی اور ہیئت تھی۔ جب تشریح التصریح پڑھی اور شرح چغمینا پڑھی تو آسمانی علوم اصطرلاب اور کرۂ عالم کا علم حاصل ہوا۔ تو جو چیز میرے ذہن میں جم گئی وہ یہ تھی کہ آسمانوں کی مخلوق اور آسمانوں سے اوپر کی مخلوق کا ہر پرزہ خالقِ عالم کی غلامی اور فرمانبرداری میں مصروف ہے اور اس غلامی اور خدمت کا زیادہ حصہ بنی آدم کے متعلق ہے۔ مقربینِ الٰہی و عالمِ ملکوت میں اسی خدمت کا ذکر ہے۔ تعجب ہوا اور حیرت میں محو رہا۔

## انسانی خدمت

آخر یہی بیداری پیدا ہوئی کہ عرش سے لیکر زمین کے فرش تک انسانی خدمت ہی بارگاہِ الٰہی میں عزت کا ذریعہ ہے اور یہی چیز ہے جو انسان کو حیوانات کی حیات سے جدا حیثیت دیتی ہے یعنی بشریت سے ملکیت کو پہنچاتی ہے۔ خدمتِ مخلوق باعثِ رضامندی مولا کریم ہے۔ مگر قربِ الٰہی کا باعث انسان کی خدمت ہے۔ خدمت ہائے انسان کے سلسلہ پر توجہ کی جائے تو وہی خدمت ہے جو انسان کو اس کے مالک سے ملا دے یا اس کی طرف متوجہ کرے۔ یہ خدمتِ اعلیٰ ہے اور ان اسباب اور ان چیزوں کا مقابلہ کرے جو اس مدعا کے خلاف ہیں خواہ جن لفظوں سے ان چیزوں کو یاد کیا جائے۔ مروّجہ الفاظ تو شیطان و شیطان والے ہیں یا بشریت یا حیاتِ ظلمانی سے متعلق ہیں اور یہی یقین ہے کہ یہ کام اسی مالک الملک کی عنایت سے ممکن ہے۔ ورنہ ناممکن ہے اس لئے کہ جو پرزہ خالق جس کام پر لگائے وہاں ہی لگے گا۔

## اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَلٰی فَضْلِہٖ وَعَلٰی مَنِّہٖ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِہٖ

اس حقیر کی نگاہ غور کرنے کے بعد اس کام پر پڑی کہ انسانوں کی ذاتی اصلاح کے طریقے اور عمل اور نیز ان امور کی ماہیت کو جاننا اور عمل میں لانا خدمتِ اوّل ہے۔ مگر انسان کی انسانی زندگی کے وہ عوارضات اور موانعات بھی زیرِغور لاکر ان کا علاج خدمتِ ثانی ہے۔ گویا خادم کی خدمت کے دو حصے ہیں۔ تکمیل خدمت کی غرض سے دونوں حصوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اس لئے ان امور کا بھی علم ہونا چاہیے کہ مسلمان جس مہلک بلا میں مبتلا ہیں اور جس کی وجہ سے انسانی شمار سے ہی باہر ہو چکے ہیں اس کی بھی تشخیص امر ضروری ہے۔ مسلمانوں کا پیغمبر نہ رہا۔ رہبر نہ رہا۔ مسلمانوں کا خدا نہ رہا۔ اس لئے یہ خود اس کے نہ رہے۔ اُحد کی شدتِ جنگ میں جب نبی پاکﷺ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ پکارو:

## اَللّٰہُ مَولٰی نا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ

(اللہ تعالیٰ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں)

تو نصرتِ الٰہی شاملِ حال ہوگئی اور دشمنوں کو ہزیمت ہوئی۔

### موجودہ حالات

موجودہ حالات میں مسلمان کی زندگی ذلیل صورت میں وہاں تک تنزل کر گئی ہے کہ اس کا کوئی نہیں رہا یعنی یہ کسی کا نہ رہا اور نہ ہی اس کا تعلق کسی سے رہا۔ الغرض اگر ان مسائل کو کھول کر بیان کیا جائے تو کئی دفتر اس کی تشریح کے لئے درکار ہیں۔ یہاں نہایت اختصار اور مثال کے طور پر معمولی حالات عوام کے سمجھنے کے لئے درج کئے جاتے ہیں۔ یہاں کوئی دقیق مسائلِ تصوف ظاہر کرنا مقصود نہیں۔ ہر نبی اور ہر مرسل اور ہر ولی صاحبِ منصب دنیا میں اُس وقت کی بلا اور مصیبت کے رد اور نجاتِ قومی کے لئے آتا ہے اور ہر نبی و ہر مرسل اور ہر ولی صاحبِ قدم کی ترقی اور عزت بھی اسی پر منحصر ہوتی ہے۔

### غارِ حرا کی حقیقت

غارِ حرا کی زندگی مقصود بالذات نہ تھی بلکہ یہ چیز اس چیز کے پیدا کرنے کا سبب تھی۔ جو دنیا کے آئندہ آنے والے پروگرام میں پیش آنے والے معاملات کے لئے ضروری تھی۔ اس کی تفصیل پر بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ دنیا خود شاہد ہے اور اسلام اور واقعاتِ عالم جو رونما ہوئے نیز وہ واقعات جو قیامت تک رونما ہوں گے ان سب کی بنیاد غارِ حرا کا

وقت ہے اور ہر وہ شخص جو ان واقعاتِ عالم پر سے گزر کر مالک کے دروازے پر پہنچے اس کے لئے بھی اس کی حیثیت کے موافق غارِ حرا کا وقت درکار ہے۔ اس کی تشریح سب سلوک وطریقت ہے۔

## روحانیت کی ضرورت

الغرض میں نے مسلمانوں کی حالت اسلام سے خالی دیکھی۔ جہاں تک ہو سکا مضامین لکھے، تعلیم دی، تربیت دی، چلّے کاٹے، جنگل نشینی کی، نفس کشی کی، نفس کشی دوستوں سے کروائی، عبادت کی وغیرہ وغیرہ۔ جو اس کے اس پہلو پر توجہ پیدا ہوئی کہ مسلمانوں کو اپنے مالک کی طرف متوجہ کیا جائے اور کسی طرح قرونِ اولیٰ کی روحانیت کا اثر ان میں پیدا ہو۔ مگر لوگ مدتہا مدت سے نسبت رسول ﷺ اور اس کی حقیقت سے سراسر محروم ہو چکے تھے۔ جن چیزوں کی نفی اسلام کا فرض تھا اب ان کے حصول کے لئے اسلام بھی ایک ذریعہ ہو چکا ہے۔ علماء علم اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ اہل دنیا میں داخل ہوں اور کچھ دنیاوی سہولت حاصل ہو جائے۔ طریقت جو من وعن خواہشاتِ نفس سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اب اسی طریقت کا نام اور کام نفس کی خواہشات کو پورا کرنے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ سردارانِ قبائل اور ارکانِ سلطنت وافرادِ حکومت بجائے دادرسی، غرباء پروری اور حفاظتِ حقوق کے گوناگوں مصائب اور تکالیف پیدا کر کے مظلوموں کے ظلم سے، غریبوں کی غریبی سے، امیروں کی امیری سے، اپنی ناجائز خواہشات پوری کرنا اپنا مدعا خیال کرتے ہیں۔

## انگریز کی پالیسی

حکومتِ انگریزی کو یہی ذہن نشین ہے کہ حکومت کا قیام وثبات اسی پر ہے کہ لوگ جہالت اور غفلت سے ہرگز فراغت نہ پائیں ورنہ حکومت کے لئے مشکلات ہوں گی۔ اس لئے ہرگز کوئی انسان مذہب میں جکڑا ہوا نہ رہے اور نہ ہی اس کی زندگی اور حیات وممات مذہبی روشنی اور مذہبی قویٰ پر منحصر ہو۔ واضح ہو کہ جب ہم نے اپنی جماعت کے آدمی اضلاعِ سرحد میں پھیلائے اور انہوں نے کام شروع کیا تو حکومتِ انگریزی کو اپنے خاص ذرائع سے علم ہوا تو ڈپٹی کمشنر کوہاٹ نے ہم کو حکم روانہ کیا کہ آپ کے آدمی دورے کوہاٹ کے ضلع سے باہر کریں ورنہ گورنمنٹ مداخلت کرے گی۔ جانبین میں خط وکتابت کے بعد بابو ریاض الدین صاحب کو میں نے ڈپٹی کمشنر کے بلانے پر روانہ کیا۔ بہت گفتگو کے بعد ڈپٹی کمشنر نے کہا کہ لوگ سوئے ہوئے بہتر ہیں ہم نہیں چاہتے کہ ان کو جگایا جائے۔ یہ حکومت کی اصلی پالیسی ہے۔ اس وقت صاحبزادہ محمد اسحاق پولیٹیکل تحصیلدار بھی موجود تھا۔ اس لئے کہ مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے کہ انسان فرداً فرداً اور قومیں مجموعی طور پر جان ومال، عزت وجذبات کو قربان کرنا سعادت سمجھتی ہیں۔ دولت جسے انسان تکلیف

سے حاصل کرتا ہے جب جان پر مصیبت آئے تو قربان کر دیتا ہے۔ اسی طرح جان کو انسان عزیز خیال کرتا ہے مگر جب عزت پر نقصان پیش آئے تو انسان جان کو قربان کرتا ہے اور عزت کو بچاتا ہے۔ اسی طرح عزت کے علاوہ ایک اور چیز ہے جس کو جذباتِ انسانی کہا جاتا ہے اگر جذباتِ انسانی حکم دیں تو انسان مال، جان اور عزت کو بھی قربان کر دیتا ہے۔ واضح رہے کہ یہی جذبات جب خدا کی دوستی میں ہوتے ہیں تو اس کو ایمان کہتے ہیں اور یہی وہ جذبات تھے کہ جن کے ماتحت انصار نے اپنی جائیدادیں حتیٰ کہ منکوحہ عورتیں طلاق دے کر مہاجر مسلمانوں کے حوالے کرنے کو تیار ہو گئے تا کہ مالک کی رضامندی حاصل ہو۔ انسان کو ایمان کی تکمیل کا یہی معیار سمجھ لینا کافی ہے اگر عقل موجود ہے اور مذہبی روح کسی قوم میں قائم ہے تو ہرگز دوسری قوم اس پر اور اس کے ملک پر غالب نہیں ہو سکتی۔ وہ روحانی اور اسلامی جذبہ ہی تھا جس نے بے سروسامان لوگوں کو عظیم الشان حکومتوں پر اور ساز وسامان والی قوموں پر غالب کیا۔ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے انسان جیسی ضعیف ہستی کو خدائی طاقت کا ظرف یا آلہ بنایا جا سکتا ہے۔ یہی اسلامی روح ہی ہے جو غیر حکومتوں کے لئے مانع ہو سکتی ہے۔ اس لئے غیر اقوام، غیر ملکی اور غیر مذہبی حکومتوں کو اس حقیقت کے ساتھ دشمنی رکھنا ان کی عقلمندی ہے۔

اس پر طرہ یہ ہے کہ ہندوستان جہاں ہزاروں قومیں اور ہزاروں مذہب ہیں اب ان کے باہمی اختلافات کی موجودگی میں غیر ملکی حکومت اگر کامیاب نہ ہو سکے تو وہ حکومت دنیا کا ادنیٰ کام بھی نہیں کر سکتی اور کسی حاکم کو اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے ہندوستان سے بہتر ملک دنیا میں نہیں مل سکتا۔ اس لئے کہ ہندوستان میں مذہبی اختلافات ہی اس قدر ہیں کہ کبھی ایک قوم بھی اپنی پوری طاقت کو مجتمع نہیں کر سکتی تو دوسری قوموں کی طاقت اپنی غرض میں لگانا تو ناممکن ہے۔ اس لئے حکومتِ انگریزی کی عملداری نے ان اختلافات کو بہت زیادہ کر دیا تھا کیونکہ حکومت انگریزی کا استحکام اسی پر منحصر تھا۔ ان کا منصوبہ تھا ''باہمی اختلافات پیدا کرو اور حکومت کرو'' (Divide & Rule)

## ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف

ہندوستان کا عنصر اعظم ہندو ہیں جو واقعی ہندو مذہب کے پابند ہیں۔ ہندو مذہب کسی قوم کے جذبات کو دبا کر حکومت پیدا کرنے کے اصولی طور پر مخالف ہے۔ مزید برآں مسلمان اقوام کے مقابل ہندو اقوام ملک کا عنصر اعظم ہیں جو دولتِ علم رکھتے ہیں، دولتِ تجارت رکھتے ہیں، کثرت افراد رکھتے ہیں، اتفاق وقوم پروری رکھتے ہیں، مذہب اور مذہب کی تابعداری رکھتے ہیں۔ یہ اس مسلمان قوم سے دشمنی اور عناد رکھتے ہیں جس نے تقریباً ایک ہزار سال تک ان پر حکومت کی جو اب دولتِ علم نہیں رکھتے، وسائل تجارت نہیں رکھتے، آبادی بھی کم ہے، قوم پروری کا احساس نہیں، مذہب کی پابندی نہیں اور حکومت میں کوئی خاص اثر ورسوخ نہیں۔ اصل حقیقت معاملہ یوں ہے کہ مسلمان اسلام کی

پٹڑی سے اتر چکے ہیں اور زمین سے لگ گئے ہیں۔ جس طرح ریل گاڑی پٹڑی سے اتر کر زمین پر پڑ جائے تو وہ چل نہیں سکتی۔ اگر وہ اسلام کی پٹڑی پر قائم رہیں تو وہ پورے مسلمان ہوں گے اور پورا مسلمان ہونا ہی اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ سب پر حاکم ہو اس لئے کہ مسلمان کے اندر خدائی طاقت عامل ہوتی ہے۔ جب یہ معاملہ ہی نہ رہا تو کیا رہا صرف خاک اور ذلت رہی۔ اسلام کا نام دوسری قوموں کو صرف ڈرانے کا ذریعہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین اِسلام اس ضعیف قوم کو دنیا سے نابود کرنا اپنا فرضِ اوّلین خیال کرتے ہیں۔

## دشمنوں کی حکمتِ عملی

مسلمانوں سے ہر سبیلِ ترقی کو چھین لینے کے علاوہ مخالفین دو چیزیں ایسی پیدا کر چکے ہیں جو تمام معاملات کی حقیقت ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ اوّل مسلمانوں کو ہر طریق عمل و علمی طاقت سے محروم رکھنا، دوئم مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی عظمت نکالنا۔ اس لئے کہ مسلمانوں کو اعلیٰ حیثیت پر پہنچانے والی چیز اور بادشاہوں پر شہنشاہ کرنے والی چیز اسلام ہی ہے۔ برخلاف اس کے ہندو تمام مطالبات قومی میں کامیاب ہیں۔ وہ اپنے مذہب کے شیدا بھی ہیں اور تمام قوم کو مذہبی روح، روحانی جذبہ اور علم کے ساتھ عمل میں کامیاب رہے ہیں۔ وہ صرف اپنی قوم میں ہی یہ روح پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ دنیا میں اسلام اور دیگر تمام مذاہب کو نابود کرنے میں عملی طور پر کوشاں ہیں۔

## ہندوؤں کا گُورُوکل

ان اغراض میں کامیابی کے لئے ہنود نے ہر دوار میں ایک عظیم الشان درسگاہ قائم کی ہے اور اس کی شاخیں تمام اطرافِ ہند میں قائم کی ہیں اور تمام ممالک خصوصاً امریکہ، یورپ اور ایشیائی ممالک میں اس کی کاروائی باضابطہ کامیابی کے ساتھ شروع ہے اور روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ اس درسگاہ کو ''گُورُوکل'' پکارا جاتا ہے۔ گُورُوکل میں تمام مروجہ علمی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے اور اپنے مذہب ہنود کے ساتھ ساتھ دنیا کے تمام مذاہب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ فلسفۂ جدید و قدیم پڑھایا جاتا ہے بلکہ ہنود کو اس کاروائی پر اس قدر ناز اور اعتبار تھا کہ سوامی دیانند نے اخبار میں اپنے ایک مضمون میں دعویٰ کیا تھا کہ ''اب وہ وقت قریب ہے کہ ہم مکہ اور مدینہ میں اپنا نشان کھڑا کریں گے۔''

گُورُوکل میں سب سے بڑھ کر دو کام سکھلائے جاتے تھے۔

1۔ یہ کہ انکے مذہب سے تمام غیر قوموں کے قوائے ذہنیہ کی تردید کی جاتی ہے یعنی خامیاں تلاش کر کے بتلائی جاتی ہیں اور فرضی اور بناوٹی باتوں سے شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے ہیں۔ جس سے اس مذہب کی وقعت دل میں نہ رہے اور مذہبِ دہریت پر توجہ پیدا کی جاتی ہے۔

2۔ اپنے طلباء کو ہر روز ایک **علیحدہ** کمرے میں بٹھا کر سوامی روحانی مشق کراتا ہے اور سینکڑوں آدمی حلقہ میں بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے اس قدر یکسوئی اختیار کرتے ہیں کہ ہرگز کوئی حرکت یا بیداری ان میں نہیں ہوتی اور اس قدر خاموشی کا عالم طاری ہوتا ہے کہ جہاں پر سینکڑوں آدمی بیٹھے ہیں وہاں ایک ذرا سی حرکت ثابت نہیں کرتی کہ پرندہ بھی بیٹھا ہے۔ یہ سمادھ روزانہ تعلیم کا ضروری حصہ ہے۔ اس دوران اُنکی توجہ **وحدہ لا شریک لکی** طرف نہیں ہوتی۔ خالق نے از روئے فطرت ہر انسان کے قلب میں ایک قوتِ فاعلہ رکھی ہے اور وہ ہر جسمِ انسانی میں از روئے حقیقت مقفل ہوتی ہے اور ہر مخلوق پر عمل مختلف صورتوں میں جاری رہتا ہے۔ سمادھ کے دوران ''پرانایام'' یعنی ''حبسِ دم'' کے ذریعہ دل پر توجہ مرکوز کر کے مختلف مشقیں کرائی جاتی ہیں جن سے قوت ارادی اور یقین کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ یوں آریہ مذہب کے پرچاروں کو اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ ان کے دلوں میں آریہ مذہب کی صداقت اور دیگر مذاہب بالخصوص اسلام کے باطل ہونے کا عقیدہ راسخ کیا جاتا ہے اور انہیں ملک میں اور بیرون ملک پھیلا دیا جاتا ہے۔

## قوتِ ارادی یا قوتِ فاعلہ

از روئے حکمت اگر قوت ارادی یا یقین میں ایک چیز کی نفی کر دی جائے تو وہ چیز فوراً مغلوب ہو جاتی ہے بلکہ معدوم ہو جاتی ہے۔ اسی طریق عمل سے بیماروں کو تندرست کیا جاتا ہے اور گا ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ از روئے یقین ایک بات منہ سے نکلے تو اس میں بجلی کی طرح دوسروں پر اثر ہوتا ہے خواہ غلط ہو خواہ صحیح ہو۔ اس کا اثر غالب رہتا ہے۔ اس کا خارجی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص اس کا عامل ہوتا ہے اُس انسان کی طبیعت غیر موصل ہو جاتی ہے یعنی کسی کا اثر قبول نہیں کرتی۔ علم طبیعات یعنی سائنس کے عالموں کو علم ہے کہ قوت سرایت کے عمل کی قبولیت معمول کی حیثیت پر موقوف ہے خواہ وہ موصل ہو یا دیر موصل یا زود موصل ہو یا غیر موصل۔ اب انسان کی قوتِ ارادی اور یقین کا عمل گفتگو کے ذریعہ دوسروں پر اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ موصل مزاج ہوں اور اگر وہ زود موصل ہوں تو اثر یا توجہ کا عمل جلدی ہو گا اور اگر دیر موصل طبیعت ہوئی تو اثر دیر سے ہو گا۔ غیر موصل ہونے کی صورت میں اثر نہیں ہو گا۔ یہی کیفیت سلوک اور ذکرِ طریقت میں جاری ہوتی ہے اور اسی وجہ سے بعض اشخاص جلدی متاثر ہوتے ہیں اور بعض اشخاص دیر سے متاثر ہوتے ہیں اور بعض کی طبیعت غیر موصل ہونے کی وجہ سے کبھی متاثر نہیں ہوتی۔ جس طرح ابوجہل، ابولہب وغیرہ اور موصل مزاج وہی ہوتے ہیں جن کی اپنی قوتِ ارادی ضعیف ہو یا انہیں یقین کامل کسی عمل پر نہ ہو۔ گویا انسان کو غیر موصل بنانے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کو کسی مخصوص امر پر یقین پختہ کر دیا جائے خواہ جس ذریعہ

سے ہو اور اپنی قوتِ ارادی ہر انسانی فعل میں حقیقی قوتِ فاعلہ ہو۔ اس لئے کہ افعال کا اجراء دل سے شروع ہوتا ہے جب دل سے ارادہ ہو کر تصوّر پیدا ہوتا ہے تو قوائے انسانی اس پر عمل شروع کرتے ہیں اور اگر ارادے کے ساتھ یقین کامل ہو جائے کہ یہ کام مجھ سے ہو جائے گا یا ہو گیا تو تکوینی عمل میں اس یقین اور اعتبار کا اثر ہو کر ناممکن ممکن ہو جاتا ہے۔ یعنی حقیقتِ انسانی کا حکم حکمِ خالق ہوتا ہے اور غالب آ جاتا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کا خاصہ ہے کہ مالک الملک کی حضوری میں جو چیز ذہن میں آ گئی وہ مالک کی طرف سے ہے۔ اس کو شکست نہیں ہوتی۔ اس کے بغیر بات کا ہرگز کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کسی حرکت میں تاثیر نہیں ہوتی۔ درحقیقت یہ چیز الہام کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جس طرح علم نجوم و ہندسہ اور حکمت وغیرہ ہیں۔ یہ چیز بزرگانِ طریقت سے قرونِ اولیٰ کے کفار نے ان کے حلقہ میں داخل ہو کر ارادت مندی کے مکر سے حاصل کی۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہر جسم میں ہے اور یہ طریقِ عمل ہر انسان کر سکتا ہے خواہ کافر ہو یا مسلم۔ البتہ صوفیائے کرام سالکین عظام اس چیز سے جو فائدہ حاصل کرتے ہیں وہ یہی ہے کہ تقاضائے نفس پر غالب آ کر غیر مرئی طاقت کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کریں۔ اندریں حالات خدا کی طرف متوجہ ہو جانے سے نفسیات و ملحقات کی نفی ہو جاتی ہے تو انسانی حقیقت کی قربانی ذات **فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْد** کے لئے ہو کر اسی ذات کے اثرات اور اسی کی قدرت سے اس کو حصہ ملتا ہے۔ اور اس کے افعال مخصوص خدائی طاقت سے ہوتے ہیں۔ اس میں انسانی حقیقت مفقود ہو جاتی ہے

**گفتۂ او گفتۂ اللہ بود**
**گرچہ از حلقوم عبداللہ بود**

دراصل فطرتِ انسانی اگر بالکل متحد ہو جائے تو ضروری ہے کہ اس کا رخ یا تو خالق کی طرف ہو گا یا مخلوق کی طرف۔ اگر خالق کی طرف ہوا تو ماسویٰ اللہ سے خالی ہو کر ہو گا۔ تو اس میں ذاتِ الٰہی کے انوار و تجلیات معکوس ہوں گے۔ جس طرح کسی شیشہ کا رخ اگر آسمان کی طرف ہے تو اُس شیشے میں چاند، ستارے سب معکوس ہوں گے تو وہ ایسا منور ہو گا کہ چاند ستارے کی چمک گویا اصلی چاند وہاں ہی ہے اور اسی کی ضیا باہر آئے گی۔ یہ صورت انبیاء و اولیاء کے اس رخ سے ہوتی ہے جو ماسویٰ اللہ سے خالی ہو کر خالق کی طرف ہوا اور اگر خالق کی طرف کی حس نہیں تو گویا مخلوق کے جس پہلو پر ہو گا اس پر عمل جاری ہو گا۔ تو گویا ولی میں خدائی طاقت ہو گی اور اس مادہ پرستی میں اپنی ذاتی طاقت قبضہ میں ہو گی۔ اس کے اثرات محدود ہوں گے اور خدائی طاقت کے اثرات غیر محدود ہوں گے۔ تو اُس صوفی کا دل انوارِ الٰہی اور علوم معارفِ الٰہی کا ظرف ہو گا۔ جس طرح مولانا رومؒ نے فرمایا:

**علمِ حق در علمِ صوفی گم شود**
**این سخن کے باور مردم شود**

مگر بزرگانِ طریقت میں اس حقیقت کا قیام علی العموم نہیں ہوتا بلکہ علی الخصوص ہوتا ہے بہر حال یہ ماجرا، یہ حقیقت بیان کرنے کے لئے **علیحدہ** باب چاہیے۔ یہاں اس کا اظہار مقصود نہیں۔ یہاں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس چیز کو پیدا کر کے ہنود قوم کی حقیقی قابلیت اور انسانی وسعت وقدرت کو ترقی دیتے ہیں اور تمام تعلیم ہر چیز پر مقدم کرتے ہیں۔

## استدراجی علوم

ولایت اور امریکہ والے اس قوتِ فاعلہ کو ترقی دے کر اصولِ مسمریزم، ہپناٹزم، سپر چولزم اور ٹیلی پیتھی وغیرہ کے اغراض پورے کرتے ہیں اور یہ چیز نہایت سفلی امور واغراض میں مقید رہ کر ختم ہو جاتی ہے۔ ان علوم واعمال سے صرف تین چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ کشف القلوب، صحتِ بیماراں اور شعبدہ بازی۔ اس کے بغیر اور کوئی چیز ان کو نہیں ملتی اور یہی چیز تھی جسے قرونِ اولیٰ میں استدراج پکارا جاتا تھا۔ گویا ابتداء سے یہ چیز چلی آ رہی ہے جب سے خدا نے انسانوں کو دولت نبوّت سے نوازا اور دولتِ ولایت عطا کی۔ اُسی زمانے سے یہ اس کی نقل چلی آتی ہے۔ جن حکما اور کفار کے قلوب قربِ الٰہی سے محروم اور ضیائے ربانی سے ناآشنا تھے وہ اسی حد یعنی اظہار استدراج تک پہنچ کر رہ گئے۔ اس لئے کہ اس سے آگے وہ جا نہیں سکتے تھے۔ وہ طبیعات تک ہی پہنچ سکتے تھے۔ وہ غیر مرئی طاقت سے منکر ہو گئے اس لئے کہ وہ نور جس سے ضیائے ربانی تک پہنچنا ممکن ہے وہ نور اور وہ بصیرت ان کو حاصل نہ تھی۔ جس کے متعلق مولانا جامیؒ نے فرمایا:

ہم بہ چشمِ یار بینم یار را

امید ہے کہ اس مختصر تحریر سے ناظرین کو کسی قدر علم ہو جائے گا کہ ان استدراجی علوم یعنی ہپناٹزم، مسمریزم وغیرہ اور علم نبوت اور ولایت میں کیا فرق ہے۔ میں نے اس تشریح میں ایک کتاب ''مکالمہ نظیر'' کے نام سے لکھی تھی۔ مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان علوم ظلمانی سے انسانی قدرت جو اس کے اندر از روئے خلقت وضع کی گئی ہے وہ اپنے اختیار اور عمل میں آتی ہے مگر سلوک اور ولایت میں انسان اس قدرت کو قربان کر کے خدائی طاقت کا آلہ کار بن جاتا ہے۔ اس کی نفسانی حقیقت اور بشریت مفقود ہو جاتی ہے۔ اس کا فعل خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے خلافِ قیاس امورات عمل میں آتے ہیں جو بشر کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں۔

الغرض گوُروکل میں انسانی زندگی کو ہر پہلو سے پختہ کر کے اقوام اور افراد پر غلبہ حاصل کرنے کے اصول کی تعلیم دی جاتی ہے اور افراد کو مجموعی اقوام کے فرائض بتلائے جاتے ہیں اور فرائض ادا کرنے کے اصول سکھلائے جاتے ہیں اور ایک لشکر انسانوں کی مکمل تربیت کر کے ہر ملک اور ہر ضلع میں روانہ کئے جاتے ہیں جو نہایت حیرت انگیز طریقوں

سے یہ اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اس قدر تحریر سے ہر سمجھدار کو سمجھ آ سکتی ہے کہ اس چیز سے وطن میں ایک عظیم الشان زہر پیدا کیا جاتا ہے جو افراد کو، قوموں کو اور وطن کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔

گُورو کل کو سمجھنے کے لئے میں نے بہت سفر کئے۔ ان کے معائنے کئے اور حقیقت معلوم کی۔ ہردوار میں سوامی کی سمادھی کی مجلس میں خود بیٹھا ہوں۔ اسلام کی خدمت کے لئے دشمن کی کاروائی مسلمانوں کو بتلانا بہت ضروری ہے اس لئے کہ ہندو اور مسلمان کی زندگی سیاست اور ان کے مذہب پر قائم ہے۔ تو گویا مذہب اور سیاست دونوں پاؤں پر قوم کا جسم قائم ہے۔ ہندو دونوں چیزوں کو مضبوط کرتے ہیں اور مسلمانوں کو صرف پیٹ کی وحشت نے سرگرداں کر رکھا ہے۔ جس کے پاس دولت نہیں ہے وہ بھی روتا ہے، جس کے پاس بہت ہے وہ بھی روتا ہے۔ جس کے پاس سو روپیہ ہے وہ اس کو دوسو بنانے کے لئے سرگرداں ہے، جس کے پاس ہزار ہے وہ اس کو کئی ہزار بنانا چاہتا ہے جس کے پاس لاکھ ہے وہ کئی لاکھ بنانے کے غم میں گھلا جاتا ہے۔ اسی طرح کروڑوں والا بھی غمگین اور سرگرداں ہے۔ الغرض یہ سلسلہ ایسا نہیں جس سے انسان کسی حد پر پہنچ کر مطمئن ہو سکے بلکہ اس راستے پر اطمینان ہرگز نہیں۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے فرمایا:

**اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ** ﴿الرعد:28﴾

''سن رکھو کہ خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں''

موجودہ مسلمان مذہب کو، ملت کو، قوم کو پامال کر کے دولت حاصل کرنے میں کوشاں ہے۔ حالانکہ انسان کی ترقی اور کامیابی مذہب والے مالک ہی کے اختیار میں ہے۔ اس سے **علیحدہ** ہوکر سوائے ذِلّت کے کچھ حاصل نہیں کرتا۔

**عزیزے کہ از در گہت سر بتافت**
**بہر در کہ شد ، ہیچ عزت نہ یافت**

ہم کو اپنے مالک الملک کی رضامندی حاصل کرنا مقصود ہے اس لئے ہر پہلو سامنے کیا جاتا ہے ورنہ اگر یہ مقصود ہوتا کہ اس تحریر کو لوگ قبول کریں اور پسند کریں تو اس میں ہڑتال، پارہ، شنگرف، آملہ سار کو موم کرنا اور تیل بنانے کے نسخے لکھے جاتے۔ جن کا ذرہ بھر تانبے پر لگانے سے سونا بن جاتا ہے یا تجارت کے مفاد حاصل کرنے کے اور نئے نئے معاش کے طریقے بتلائے جاتے یا آیاتِ قرآنی کو الٹ پلٹ کر کے پڑھنا اور اسمائے الٰہی میں مئوکلات اور من گھڑت بکواس لگا کر پڑھنا بتلایا جاتا۔ جس سے کئی روپے روزانہ بستر پر سے یا مصلیٰ پر سے مل جاتے یا ہند سے اور منتر کے خانے بنا کر بتلایا جاتا کہ اس سے مطلوب قدموں میں حاضر ہوگا۔ جس طرح بعض لوگوں کی بزرگی ہے یا نہایت نایاب ادویہ و کشتے

بنانے میں لوگوں کو توجہ دلائی جاتی تو یقیناً زندگی ضائع کر کے بھی لوگ یہ تحریر قبول کرتے مگر ہمیں ایسی چیز مقصود ہے جس پر حضرت رسول کریم ﷺ کے دربار میں سرخروئی ہو۔

اس متذکرہ بالا گورُوکل کے ملاحظہ کے لئے میں نے بہت سفر کئے، ان کے معائنے کئے، حقیقت معلوم کی تا کہ لوگوں کو خبردار کیا جائے بلکہ تحصیل گوجر خان اور کہوٹہ کے درمیانی حصہ میں ایک جگہ جس کا نام ''دان گلی'' ہے وہاں بھی گورُوکل کی ایک بڑی درسگاہ قائم ہوئی تھی۔ وہاں انہوں نے مسلمانوں اور سکھوں سے مناظروں اور مباحثوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا جس سے وہ لوگ بڑے پریشان تھے۔ چنانچہ ہمارے ملنے والے لوگ جو اس علاقہ میں مقیم تھے وہ ہمارے پاس آئے اور حالات بیان کئے۔ ہم مع احباب کی جماعت جو تقریباً سات سو افراد پر مشتمل تھی جس میں علماء اور صوفی بھی تھے وہاں دان گلی گئے۔ اس جماعت میں خان بہادر خداداد خان صاحب، راجہ محمد اشرف خان صاحب آف نارہ، راجہ حسین خان صاحب رئیس آف دوبیرن، مولوی محمد شریف صاحب، صوبیدار راجہ نادر خان صاحب، راجہ محمد خان گڈاری، سردار فضل خان صاحب، سائیں قائم خان صاحب اور دیگر علماء اور معززین بڑی تعداد میں شامل تھے۔ پورا ایک دن وہاں رہ کر وہاں معائنہ کیا اور ان کے طلباء کے لیکچر سنے۔ نصابِ تعلیم اور قواعد معلوم کئے۔ سوامی (پرنسپل) سے گفتگو ہوئی۔ گفتگو اس طرح ہوئی کہ جب ہماری جماعت وہاں پہنچی تو سوامی وہاں موجود تھے۔ اس نے اپنے اہل کاروں کو حکم دیا کہ بہت سی چارپائیاں اور دریاں میدان میں بچھا دی جائیں اور جماعت کی خاطر تواضع کریں چنانچہ بہت مہمان نوازی کا برتاؤ ہوا۔ بیٹھ جانے کے بعد میں نے اس خاطر داری کا شکریہ ادا کیا اور گفتگو میں یہ الفاظ بھی زبان سے نکل گئے کہ آپ کی کاروائی اور تعلیم سے آپ کے مذہب کو بہت عروج حاصل ہو رہا ہے۔ اب سوامی نے جواب میں جو گفتگو کی وہ سراسر مذہب کی تردید پر مشتمل تھی اور نہایت خوبی لیاقت سے مذہب کی نفی کا ثبوت دیا۔ خلاصہ یہ کہ سوامی نے کہا کہ مذہب کچھ چیز نہیں بلکہ غلط خیالی ہے اس لئے کہ مذہب کا مدعا یہ ہے کہ انسان کو خدا تک رسائی ہو اور قرب ہو تو اس صورت میں خدا یا تو غایہ (مقصود) ہوگا یا مغیہ (حصول مقصود) ہوگا۔ غایہ ہو یا مغیہ ہو، دونوں صورتوں میں محدود کا حکم لگتا ہے۔ اس لئے غیر محدود کو محدود بنانے کا راستہ غلط ہے لہذا مذہب صاف غلطی کا نام ہے۔ جب سوامی نے یہ تقریر کی تو ہمارے علماء پر ایک رعب اور خاموشی اور لاجوابی طاری ہوگئی۔ اب بجائے فائدہ کے نقصان محسوس ہوا تو مجبوراً میں نے سوامی کو صرف اتنا کہا کہ آپ نے مذہب کو غلط تشخیص کیا ہے۔ مذہب کا مدعا خدا تک پہنچنا نہیں بلکہ اپنی جہالت کو رفع کرنا مقصود ہے اور اپنے خیال و عمل کو صحیح اصول پر کاربند کرنا مطلوب ہے۔ مذہب سے انسان اپنے اخلاق و خیالات اور اعمال کی تہذیب کرتا ہے۔ اس بات پر سوامی خاموش ہوا اور ہمارے علماء بھی سنبھلے۔ اُس وقت قوم سکھ ساکنان نارہ اور دبیرن ہمارے ساتھ اس گوروکل کی مخالفت میں شامل تھے وہ بھی تنگ آئے ہوئے تھے انہوں نے نعرہ بازی شروع کی۔

ہمارے وہاں جانے اور اس تکلیف سے یہ نتیجہ نکلا کہ سوامی جو گوُروکل کا پرنسپل تھا اور چند طالبعلم وہاں سے بھاگ گئے اور مسلمان ہوگئے اور پے در پے مخالفت کا سلسلہ قائم رکھنے سے وہ درسگاہ موقوف ہوگئی۔ اُس کی بجائے راولپنڈی میں تھانہ بارہ کہو میں راول پنڈ کے قریب برلبِ سڑک ہنود نے ایک درسگاہ اسی نام سے قائم کی اور اپنی کاروائی یہاں سے جاری کر دی مگر خدا کے فضل سے قدرت نے اسے بھی نابود کر دیا اور یہ جگہ حکومت کے قبضہ میں ہے۔ ''اور اب اسلام آباد کے درختوں کے جھنڈ میں چھپ گئی ہے۔'' (مؤلف)

## صوفی کل کا منصوبہ

ان ایّام میں میں نے پوری توجہ اس گوُروکل تحریک کے خلاف رکھی۔ تمام مسلم والیانِ ریاست کو اطلاع دی، تمام پیرانِ طریقت اور علمائے دین سے درخواست کی، بہرحال خاص وعام کو بتلایا مگر کسی کو اپنے معاملاتِ شکم پروری سے فرصت نہ تھی کہ اس طرف توجہ کریں۔ آخر اپنے احباب وغرباء سے مشورہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ گوُروکل کے مقابلے میں ایک عظیم الشان درسگاہ ''صوفی کل'' کے نام سے قائم کی جائے۔ جس میں ہر مروجہ زبان اور تمام ادیان اور مذاہب کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور ہر مذہب کی خامی اور اسلام کی حقیقت لوگوں کو بتلائی جائے اور مسلم وغیر مسلم اقوام میں ہر طرف اور ہر ملک میں صوفی کل کے تربیت یافتہ مبلغین اپنے فرائض انجام دیں جس طرح گوُروکل والے کرتے ہیں۔ طلبا کی تحصیل علوم کے ساتھ ساتھ روحانی اصلاح بھی ہو اور قرونِ اولیٰ کی طرح اسلامی روح پیدا کی جائے۔

چنانچہ اس کام کے لئے بڑے سرمایہ اور انتظام کی ضرورت تھی اور یہ صورت گوارا نہیں ہوسکتی تھی کہ لوگوں سے چندے جمع کئے جائیں۔ ہرگز کبھی کسی سے کوئی چندہ وصول نہیں کیا گیا حالانکہ سر عبدالقادر جج ہائی کورٹ لاہور نے بہت زور لگایا اور مجھ سے اجازت طلب کی کہ ہم ابتداء میں اس کام کے لئے روپیہ بذریعہ چندہ وصول کریں مگر میں نے منظور نہیں کیا۔ مجھے اپنے ذاتی سرمایہ سے یہ کام انجام دینا پسند تھا۔

اس لئے اس عظیم الشان کام کے لئے روپیہ مہیا کرنے کے لئے دریائے سندھ کے کوہستانی جنگلات کی تجارت شروع کی۔ اس کو عام زبان میں ہیٹر کوہستان کہا جاتا ہے۔ بعض کوہستانی حصے اور بعض دریا ایسے ہیں کہ ایک لاکھ روپے خرچ کرنے سے بیس لاکھ روپیہ ایک دو سال میں وصول ہو جاتا ہے مگر دریائے ابا سندھ اٹک میں تھوڑا فائدہ ہوتا ہے اس لئے اس تجارت کو بڑھانے کی سکیم بنائی گئی۔

راولپنڈی کے نزدیک میں نے اپنی آٹھ سو کنال زمین اس درسگاہ کے لئے وقف کی اور اپنی پراپرٹی، تجارت سب ''صوفی کل'' کے لئے رجسٹری کر دی اور لوگوں نے بغیر تنخواہ کے ''صوفی کل'' کی عمارات کی تعمیر کرنے میں

خدمات انجام دینے کے وعدے کئے۔اس کے متعلق کاغذات چھپوائے گئے اور نصاب وانتظامی پروگرام بنانا شروع کیا گیا۔ اس وقت ہندوؤں نے ہمارے پروگرام کے خلاف شور مچانا شروع کیا اور ہندو ملازمین نے انگریز حکومت کو ڈائریاں دینی شروع کر دیں بلکہ بعض مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی امداد شروع کر دی۔آخر ڈپٹی کمشنر مسٹر ولسن اور کمشنر مسٹر سمتھ نے ہم کو ''صوفی کل'' کی تعمیر سے منع کیا اور حکم دیا کہ اگر یہ کام جاری کریں گے تو بڑی ضمانت نقدی ہم لیں گے۔اس لئے کہ ہندو جذبات کے خلاف جو کام شروع ہو وہ انگریزی حکومت سے واویلا کر کے حکومت کو ہم خیال بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ یہ معاملہ ہنود نے گورنمنٹ کے حکام کو باعث مخالفت بتلایا۔اس کے بعد ہمارا پروگرام یہ ہوا کہ گورنمنٹ کی خدمت اور خوشامد کا سلسلہ شروع کیا جائے تا کہ حکومت کو اطمینان ہو۔مگر اس موقع پر بھی وہی بدذاتی عمل میں آئی بلکہ قوم سکھ اور ہندو نے اور گورنمنٹ کے مقامی آفیسروں نے گورنمنٹ کو دھوکا دیا۔گورنمنٹ سمجھ نہ سکی۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ جنگِ عظیم (1914-18) شروع تھی۔اس میں مسلمانوں کا سیاسی مرکز اور ہینڈ آف آرم ترکی جرمن کے ساتھ شامل تھا۔اس لئے بالواسطہ یہ جنگ مسلمانوں کی مسلمانوں کے ساتھ ہی تھی۔اس بناء پر علمائے مذہب اور عوام الناس میں یہ خیال موجزن رہا کہ اس فوجی بھرتی میں شامل ہونا یا شامل کرنا گناہ ہے اور حکومتِ انگریزی کو سخت ضرورت جانی خدمات کی درپیش تھی اس لئے گورنمنٹ نے یک صد روپیہ بھرتی ہونے والے رنگروٹ کو اور دو صد روپیہ نقد بھرتی کرانے والے کو فوراً پیشگی انعام دینا شروع کیا۔اب صورت حال یہ تھی کہ ایک حصہ مسلمان قوم کا جرمن کے ساتھ مدد گار ہوا اور دوسرا حصہ مسلم قوم کا انگریز حکومت کے ساتھ مددگار رہوا۔انگریز کا ساتھ دینے پر لوگ اس بنا پر مجبور تھے کہ وہ ان کی رعایا تھے۔بصورتِ انکار یہ جنگ رعیت اور حکومت کی آپس میں لگ جاتی۔چنانچہ قوم ''لک'' نے ریکروٹنگ آفیسر نادر شاہ کو قتل کر کے جلا دیا تھا اور تمام قوم بلکہ نہری آبادی کے لوگ (مسلمان) باغی ہو گئے۔جب کمشنر اور ڈپٹی کمشنر موقع پر گئے تو ان کو زمینوں میں خیمے لگانے کی بھی اجازت نہ دی بلکہ برسرِ پیکار ہوئے۔کمشنر نے بھاگ کر جان بچائی۔اب لارڈ اڈوائر گورنر پنجاب موقع پر جانے کے لئے تیار ہوئے۔اس طرف کی اقوام مرنے مارنے پر تیار ہو گئیں۔اب گورنمنٹ آف انڈیا اور انگلینڈ تک شور پڑ گیا۔لارڈ اڈوائر نے بہت حیلے استعمال کئے مگر فائدہ نہ ہوا۔ کوئی خان بہادر، کوئی نواب صاحب وغیرہ اس بات کی جرأت نہ کرتا تھا۔اب آخری حیلہ یہ تلاش کیا گیا کہ پنجاب کے تمام پیرانِ طریقت جمع کئے جائیں۔چنانچہ حکما جمع ہوئے اور ان کی خدمت میں گورنمنٹ نے درخواست کی کہ بطور جرگہ جا کر لوگوں کو بغاوت سے منع کریں اور خان بہادر قاضی سراج الدین احمد صاحب سرکاری طور پر ان کے ہمراہ بہ حیثیت رپورٹر گئے۔وہاں دو یوم کی کشمکش کے بعد وہ لوگ بغاوت بند کرنے پر راضی ہو گئے۔گورنر کی بھی عزت بچ گئی اور نہری علاقہ میں بھی امن ہو گیا۔

## جنگِ عظیم اور مسلمانوں کی بھرتی

جنگِ عظیم عروج پر تھی اور انگریزوں کو فوجی بھرتی کی سخت ضرورت تھی۔ اس موقع پر مسلمان غرباء کی حالت دیکھ کر سکھوں اور ہندوؤں نے سڑکوں کے کناروں پر جا بجا بورڈ لگا دیئے کہ بھرتی یہاں ہوتی ہے۔ غریب لوگ وہاں پہنچتے اور یہ سکھ اور ہندو لوگ ان کو اکٹھا کر کے آفیسروں کے سامنے پیش کر کے 200 روپیہ فی کس وصول کر لیتے گویا ان لوگوں نے مسلمانوں کو سر بازار نیلام کیا اور روپے وصول کئے۔ نہ صرف روپیہ فی کس وصول کر لیتے بلکہ گورنمنٹ کو احسان مند کر کے جاگیریں، نہری اراضی، خطابات، ٹھیکہ جات اور تجارتی کاروبار بھی قبضہ میں کر لئے۔ نیز سرکاری ملازمتوں میں بھی چھا گئے۔ مسلمانوں کی حماقت اور ہندوؤں کی لیاقت کا اس سے پتہ چلتا ہے۔ اب حکومت کے دربار میں صرف وہی مسلمان کچھ عزت کا حقدار ہوتا جو ہندوؤں اور سکھوں کی غلامی میں داخل ہوتا۔ گورنمنٹ سکھ اور ہندوؤں کو معتمد اور اپنا بازو خیال کر رہی تھی۔

چنانچہ ہر وہ کام جو گورنمنٹ کی طرف سے مل سکتا اس کے حقدار صرف ہندو اور سکھ ہوتے تھے۔ گویا غلط لیڈروں کی غلط رہنمائی اور جہالت سے مسلمانوں کی جان، ان کی عزت اور ان کا ایمان بازار عام میں نیلام ہو گیا اور وہ ذلیل ہو گئے۔

جنگِ عظیم کے خاتمہ پر لاہور، راولپنڈی اور پشاور میں دربار منعقد ہوئے تا کہ گورنمنٹ کو امداد دینے والوں کی عزت افزائی اور قدر دانی کی جائے۔ اب ڈپٹی کمشنروں نے اور ریکروٹنگ آفیسروں نے اپنے دوست لوگوں کی فہرستیں تیار کیں اور گورنمنٹ کو پیش کیں۔ ان فہرستوں میں سکھ اور ہندو لوگ ہی تھے جن کو ہزار ہا روپیہ کی جاگیریں اور لاکھوں روپیہ کی اراضی نہری اور خطابات سر، رائے بہادر، رائے صاحب، سردار صاحب اور سردار بہادر وغیرہ دیئے گئے۔

ان کے مقابلے میں مسلمانوں کو پرانی بندوق اور سات روپیہ والی لنگی ''پگڑی'' عطا کی گئی اور سنہری اسناد دی گئیں۔ مسلمان اسی میں پھولے نہ سماتے۔ ہندو لوگوں نے ان اعزازات کے باعث ہر محکمہ کے ہر کام پر قبضہ جما لیا اور انگریزی رسوخ سے دولت جمع کرنا شروع کی اور مسلمانوں کو ذلت اٹھانی پڑی۔ حالانکہ اس علاقے میں 97 فیصد آبادی مسلمانوں کی تھی۔ افسوس۔ ''وائے ناکامی احساسِ زیاں جاتا رہا''۔

اس کے بعد تھوڑا عرصہ گزرا کہ حکومت برطانیہ نے ہندوستان میں رولٹ ایکٹ (Rollet Act) نافذ کر دیا۔ یہ قانون اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت جابرانہ تھا۔ ہندوستانیوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جگہ جگہ احتجاجی قراردادیں منظور کی گئیں اور حکومت سے احتجاج کیا گیا اور ملک میں بدامنی شروع ہو گئی اور عدم تعاون

(Non Cooperation) کی تحریک پرعمل جاری ہوا۔اس بغاوت میں بھی اوّل درجہ کا حصہ ہندوؤں اور سکھوں نے لیا۔ ملک کی مخالفت کا علم امان اللہ خان والئی کابل کو ہوا تو کابل کی طرف سے بھی اعلان جنگ ہوا۔ اس دوران ہمارے کئی کارندے بالشویک سے جا ملے اور کئی خلفاء جلال آباد کے آگے ڈکہ میں جا کر قیام پذیر ہوئے۔ اب اقوام ملک کا ہجوم ان خلفاء کے ساتھ ہو گیا۔حکومت کابل کو اطلاع ہوئی۔حکومت انگریزی کو بھی اطلاع ہوئی تو حکومت انگریزی کے گورنر نے ہمارے پاس آدمی روانہ کرنے شروع کئے۔

## موہڑہ شریف میں دربار

چنانچہ جنگ کابل اور تحریک عدم تعاون وہجرت وغیرہ کا کام ختم ہوا تو گورنمنٹ نے موہڑہ شریف میں دربار منعقد کیا اور سنہری اسناد اور خلعات وانعامات اس علاقے کے دوصد آدمیوں کو مسٹر ایچ۔ پی۔ ٹالنٹن کمشنر راولپنڈی نے دیئے اور اس کاروائی کے بعد سب کو یہ خیال تھا کہ اب گورنمنٹ ہماری تعلیم گاہ ''صوفی کل'' کے لئے ضرور امداد کرے گی اور اب سکھوں اور ہندوؤں کو اپنا دشمن خیال کرے گی کیونکہ تمام مخالفانہ تحریکات میں سکھ اور ہندو ہی نمایاں حصہ لینے والے تھے اور یہی لوگ زیادہ تعداد میں جیلوں میں بھی گئے تھے۔

## ''صوفی کل'' کی مخالفت

لیکن چونکہ اب گورنمنٹ عزت اور وقار کے ساتھ کامیاب ہو چکی تھی اس لئے گورنمنٹ نے ''صوفی کل'' کی امداد کے معاملے کو نہایت عمدگی سے ٹال دیا۔ بلکہ جو بھی نئے نئے آفیسرز آئے وہ تو بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ دراصل زمانہ ماضی کی تاریخ نے حکومتِ برطانیہ کو بتلا دیا تھا کہ مسلمان قوم کی زندگی، کامیابی اور عروج برطانیہ کا زوال ہے۔غور کرنے کی بات ہے کہ جانوں کی قربانی، افراد کی قربانی، ایمان کی قربانی اور مذہب کی قربانی مسلمانوں نے دی مگر برطانیہ اس مرے ہوئے سانپ کی لاش کو زندہ سانپ ہی خیال کرتا رہا۔ ہر وہ چیز جو مسلمان قوم کو زندہ کرے وہ برطانیہ کے لئے زہرِ ہلاہل ہی سمجھا گیا۔ اُس وقت ہمیں احساس ہوا کہ ہندوؤں اور انگریزوں کی متفقہ سکیم تھی کہ ''صوفی کل'' کی تجویز کامیاب نہ ہو سکے۔

الغرض ہم نے اپنے سرمایہ سے لکڑی کی جو تجارت اس غرض کے لئے جاری کی تھی وہ اس کام کے لئے کافی تھی۔ اُس وقت گورنمنٹ کے دستور کے مطابق جو لکڑی براستہ دریا انگریزی حدود میں داخل ہوتی تھی۔لکڑی کی ایک گیلی (Log) پر آٹھ آنے محصول اور چار آنے حق الخدمت ملا کر ٹوٹل بارہ آنے ہوتے تھے۔ اب صوفی کل کے سلسلۂ تجارت کو زِک پہنچانے کے لئے گورنمنٹ نے اس کی بجائے 14 آنے فی فٹ محصول اور چار آنے فی فٹ حق

الخدمت لگا کر اٹھارہ آنے فی فٹ لگا دیا۔ اس حساب سے یہ بارہ آنے کی بجائے مبلغ چالیس روپیہ فی گیلی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جاتا تھا۔

گویا نہایت عمدگی سے ہماری تجارت کا دروازہ بند کیا اور ہمارا لاکھوں روپیہ ضائع ہوا۔ اس میں صرف ایک ہی جرم تھا کہ یہ تجارت اور سب پراپرٹی گورنمنٹ کے کاغذات میں ''صوفی کل'' کے نام پر رجسٹر شدہ تھی۔ اس تمام کاروائی میں ممتاز لوگ ہمارے ساتھ تھے اور سب کا خیال حکومتِ وقت کے ساتھ اعتبار پیدا کر کے اس اسلامی خدمت کو انجام دینا تھا۔ مگر حکومتِ برطانیہ کا اپنا **علیحدہ** خیال تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ پیرانِ طریقت جن کا اثر لوگوں کے دلوں پر ہے اس کو معدوم کیا جائے اور فرعون کی طرح ہر شخص جو قوم پر اثر رکھتا ہے وہ گورنمنٹ کا محتاج اور گورنمنٹ کا غلام ہو اور لوگوں میں اس کا وقار گرایا جائے تا کہ لوگ مذہبی قیود سے باہر ہو جائیں اور حکومت میں استحکام اور دوام کی صورت پیدا ہو۔

مگر بکثرت لوگ ایسے بھی موجود تھے جو طریقت اور مذہبی علوم میں بھی ظاہری اقتدار اور مفاد حاصل کرنے کے لئے داخل ہوتے تھے۔ اب جب طمع اقتدار اور دنیاوی مفاد کسی اور صورت میں پیدا ہونے کا خیال آیا تو یہ پوزیشن بھی اسی راستہ میں استعمال کرنا مناسب سمجھتے تھے۔ خواہ مقصود حسب مرضی حاصل ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ ان پیروں اور علما کا ذکر تفصیل کے ساتھ لکھنا غیر مناسب ہے۔ خدا سب کو ہدایت دے اور معاف کرے۔

## انگریزی تہذیب کا نفوذ

انگریزی حکومت کے تمام امورات مملکت کے مصارف کے علاوہ کئی کروڑ روپیہ صرف اس مدعا پر صوبہ سرحد اور اطراف ہندوستان میں خرچ ہوتا تھا کہ لوگ انگریزی طرز تہذیب کے دلدادہ ہو جائیں اور یورپ کی طرز اختیار کریں اور مذہبی اثرات اور روحانی تفکرات سے خالی ہو جائیں۔ اس میں نہ صرف انگلینڈ کی تاجرانہ مدعا میں ترقی مقصود تھی بلکہ لوگوں کے دلوں میں ''خطرناک چیز'' (یعنی دین سے محبت) نکال کر ان کو حکومت کا محتاج اور مغربی طرزِ معاشرت کا دلدادہ بنانا مقصود تھا۔ سادہ طرز کی پوشاک سے نفرت، سادہ غذا سے نفرت اور قومی رسومات تعاون کو ختم کرنے کی کوشش تھی۔ اس کے لئے خاص یورپین کارندے مقرر تھے۔

عورتوں کو، مردوں کو اور بچوں کو ٹیبل سروس کرانا اور نشست و برخاست کے طریقے بتلانا اور اس راستہ پر لے جا کر عیاشی کے اصول بتلا کر مسلمانوں کی حقیقت ہی برباد نہیں کی جاتی تھی بلکہ ان انسانوں کی انسانیت بھی تباہ کرنا مقصود تھا۔ اس مدعا کے لئے ولائتی انگریز اپنے جذبات اور عزت کو قربان کرتے تھے۔

ایک دفعہ میں سرہند شریف کی طرف ریل میں جا رہا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ گاڑی کے فرسٹ کلاس کے کمرے میں ایک انگریز نیچے کی برتھ پر لیٹا ہوا تھا اور اوپر والی برتھ پر ایک نوجوان نوابزادہ لیٹا ہوا تھا۔ میں سامنے کی نیچی برتھ پر تھا۔ اوپر سے نوابزادہ صاحب کا ایک جوتا گرا اور انگریز کے منہ پر لگا۔ اوپر سے نوابزادہ نے اس انگریز کو کہا کہ صاحب معاف کرنا جوتا گر گیا اور آپ کو لگا ہوگا کہیں جوتے سے آپ کی بے عزتی تو نہیں ہوئی۔ انگریز نے جواب دیا، نہیں۔ اس میں کیا ہوتا ہے؟ اس بات سے میں حیران ہوا۔ آہستہ آہستہ سفر کے دوران معلوم ہوا کہ وہ انگریز ان کے ساتھ دوستانہ زنجیر میں جکڑا ہوا تھا وہ روپے بھی خرچ کرتا تھا اور ان لڑکوں کی خوشامد بھی کرتا تھا۔ بعد میں راز منکشف ہوا کہ یہ انگریز اس سوسائٹی کا آدمی ہے جو نوابزادوں اور امیرزادوں کو قابو کرنے کے لئے کافی رقم خرچ کرتے ہیں جو انہیں اس مد سے ملتی ہے۔ اسی طرح کئی اور لوگ بھی اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ بعد میں مزید انکشافات ہوئے بلکہ مسٹر گریفتھ جب پشاور میں ڈپٹی کمشنر تھا اس نے ہمارے کارندوں سے یہ امداد حاصل کرنے کا مطالبہ کیا۔ خصوصاً جب خان عبدالغفار خان صاحب نے سرخ پوش (Red Shirt) تحریک شروع کی۔ گریفتھ نے پیش گوئی کی تھی کہ یہ کام حکومت کے لئے مصیبت بن جائے گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ایسا ہی ہوا۔

## سنڈا کے مُلّا صاحب

کچھ عرصہ پہلے پشاور **تہکال** میں ایک قابل اور عالی دماغ شخص موجود تھا۔ جس کو **تہکال** کے مُلّا صاحب کہتے تھے۔ ان کو سنڈا کے مُلّا صاحب بھی کہتے تھے۔ ان مولوی صاحب نے **تہکال** میں ایک مدرسہ اسلامیہ قائم کیا۔ مصارف کی کمی کی وجہ سے یہ کوہستان سوات میں گیا اور جنگل سے گیلیاں لا کر فروخت کرنے کی تجویز کی۔ ان ایام میں حکومت انگریزی کے خلاف بہت اثرات پھیل رہے تھے۔ نیز ملکِ دیر اور سوات میں بدامنی تھی اور ریاست دیر کی طرف سے بہت زیادہ مظالم جاری تھے۔ اکثر لوگ ریاستِ دیر سے تنگ آ چکے تھے۔ سنڈا کے مُلّا صاحب نے لوگوں کو وعظ و نصیحت سے مجموعی طاقت بنانے پر راغب کیا۔ زیادہ کوشش کے بعد یہ تجویز کامیاب ہوئی کہ ایک اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی جائے اور مسلمان بادشاہ مقرر کرنے کے لئے مناسب آدمی کا انتخاب کرنا تھا۔ بالآخر 1913ء میں ایک عالی دماغ شخص سید عبدالجبار شاہ صاحب منتخب ہوئے اور بادشاہ مقرر ہوئے۔ دستار بندی کی گئی اور سوات میں ایک سلسلہ حکومت قائم ہو گیا۔ مگر خان بہادر یار محمد خان اور صفی صاحب پولیٹیکل ایجنٹ چکدرہ نواب دیر کے خیر خواہ بن رہے تھے۔ ان لوگوں کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ سوات میں کوئی ریاست بن سکتی ہے۔ قوم نے واقعی صداقت کے ساتھ تابع فرمانی کی۔ انتظام بادشاہت نہایت عمدہ تھا۔ لشکر، گھوڑے اور سامان کافی مقدار میں مہیا ہو چکا تھا۔ اگرچہ اندرون ملک تنازعات بھی موجود تھے۔

## سوات اور انگریز حکومت

اس سے پہلے زمانہ میں سوات کے لوگوں نے انگریزوں کے خلاف لڑائی کی تھی۔ یہ لڑائی حضرت اخوند صاحب سجادہ نشین سوات سید و شریف کے حکم و انتظام کے ماتحت تھی۔ اس وقت حکومت انگریزی کو نہ صرف نقصان پہنچا تھا بلکہ ان کو شکست ہوئی تھی۔ اب جب سید عبدالجبار شاہ صاحب بادشاہ مقرر ہوئے تو حضرت اخوند صاحب کے صاحبزادگان گل بادشاہ اور شیریں بادشاہ موجود تھے۔ ان لوگوں نے بادشاہ کی مخالفت شروع کی اور یہ مشہور ہوا کہ سید عبدالجبار شاہ صاحب لاہوری جماعت (مرزائی) کے خلیفہ خاص ہیں۔

اس نئے بادشاہ کے آدمیوں نے صاحبزادگان کے مکان جلا دیئے اور ان کو در بدر اور سرگردان و پریشان کیا۔ چونکہ ان حضرات صاحبزادگان کا اصلی پیر خانہ تورڈھیر تحصیل صوابی ضلع مردان اور اوڈیگرام سوات میں ہے۔ وہاں کے سجادہ نشین عبدالرؤف صاحب موہڑہ شریف کے حضرت پیر صاحب (والدمؒ) کے بیعت شدہ تھے اور نہایت قابل اور ہوشیار تھے۔ (ان کو اولاد اخوند صاحب یعنی گل بادشاہ صاحبان اور ان کے خاندان سے لازمی وابستگی تھی) اسی بنا پر دونوں صاحبزادگان موہڑہ شریف حاضر ہوئے اور کئی بار حالات دردناک بیان کیے اور عرض معروض کی۔ چونکہ عبدالرؤف صاحبزادہ اوڈیگرام سوات خاص طور پر مجھ سے محبت اور تعلق رکھتے تھے اس لئے میری ذاتی ہمدردی بھی تھی اور کوشش بھی جاری ہوئی۔ ان دنوں خلیفہ صاحب پیر مولوی رحمت اللہ صاحب اتمانزئی تحصیل چارسدہ پشاور کو ہم نے موہڑہ شریف سے ملک سوات میں بیعتِ طریقت کے واسطے مقرر کیا ہوا تھا اور نواب نے ان پیر صاحب سے بیعت بھی کی ہوئی تھی اور تمام ملک کانڑا، غربند، چکیسر وغیرہ کے لوگ ان کے مرید ہو چکے تھے اور ان کا خاصا اثر تھا نیز قاضی صاحب عرفان الدین آف بٹ خیلہ بھی اعلیٰ قابلیت کے انسان تھے۔ وہ بھی موہڑہ شریف کے سلسلہ میں داخل تھے۔ اب صاحبزادہ عبدالرؤف کی درخواست پر اور ان خاص افراد کی تمنا پر ہم نے میاں گل صاحبان کی امداد کا وعدہ کیا اور عملی کاروائی بھی شروع کر دی۔

سب سے اول یہ صورت اختیار کی کہ ایک کاغذ پر خوشخط حروف میں ان صاحبزادگان کے اسماء لکھ کر پیر صاحب (والدمؒ) کی نماز و عبادت کی جگہ سامنے آویزاں کر دیا تا کہ بوقت دعا پیر صاحب کے ذہن میں ان کی کامیابی کا خیال پیدا ہو۔ خصوصاً جب پیر صاحبؒ کو ان لوگوں کے ساتھ نہایت پُر زور ہمدردی بھی تھی۔ اس طریق پر سلسلۂ دعا جاری ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کام میں کامیابی کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے اسباب کو اختیار کر کے صحیح طور پر عملی کوشش کی جائے۔ سلسلۂ اسباب اور کوشش وغیرہ اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب باعثِ حقیقی کو کسی کام کے انجام

دینے کا ارادہ ہو۔ اگر مالک کا ارادہ ہوا تو اسباب پیدا ہو جاتے ہیں اور کوشش کا سلسلہ درست چلتا رہتا ہے۔ ہر صورت سے سہولت ہوتی ہے۔ اگر مالک کی طرف سے منظوری نہیں ہے تو اسباب وغیرہ غلط ہو جاتے ہیں اور دقتوں کا سلسلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مانعات غالب آ جاتے ہیں۔ یہ امور متعلقات توکّل ہیں۔ یہ مسئلہ سمجھنے کے لئے عقل اور علم درکار ہے کیونکہ توکّل کو سمجھنا مشکل ہے۔

## حقیقتِ توکّل

اس کی حقیقت صرف یہی ہے کہ انسان خدا کا محتاج ہے اور اس کا یقین ہے کہ اس کام کے انجام کو پہنچانا مالک کے ارادہ پر منحصر ہے تو وہ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ خداوندِ کریم **خَلَّاقٌ عَظِیْمٌ** کو وہ کام منظور ہو جاتا ہے تو اس کے اسباب جن پر وہ موقوف ہوتا ہے وہ پیش آتے ہیں اور آسان ہو جاتے ہیں۔ انسان کا ذہن مالک کی طرف ہوتا ہے اور مالک کی طرف سے وہ کام اسباب و کوشش کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان کی کوشش اور اسباب توکّل کی منظوری کے آثار ہیں۔ اسی طرح بعض کام بند ہونے اور خراب ہونے کے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ انسان فائدے اور کامیابی کو دیکھ کر صرف کوشش اور اسباب پر نظر رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ کام کو اپنی کوشش کا نتیجہ سمجھتا ہے یا اپنے افسر یا اپنے دوست یا کسی معاون کی مہربانی سمجھتا ہے تو آخر میں مشیتِ ایزدی اس کے خلاف ہو جاتی ہے اور اسباب مخالف اور مانعات غالب آ جاتے ہیں اور آدمی لغو اور فضول ہو کر چلا جاتا ہے۔ اگر طوالتِ مضمون کا خیال نہ ہوتا تو یہاں اس مسئلے پر آیات قرآنی سے ثبوت دیا جا سکتا ہے اور اپنی تجربہ شدہ آپ بیتی کے احوال پیش کئے جا سکتے ہیں۔

الغرض صاحبزادگان سوات کے لئے دعا کا سلسلہ شروع ہوا اور عجائبات کا ظہور اس طرح ہوا کہ پیر خلیفہ مولوی رحمت اللہ صاحب نے ملک کے تمام علماء کو ہم خیال بنایا اور قاضی عرفان الدین صاحب نے مضامین جاری کئے اور لوگوں میں اخوند صاحبؒ کی اولاد سے ہمدردی پیدا ہوئی اور اندرونی طور پر واقعات بدلتے گئے اور نہایت ناداری میں ہی بادشاہت کی پگڑی میاں گل صاحب کو بندھائی گئی اور لوگ بھی متفق ہوتے گئے۔ مگر عموماً لوگ مرزائیت کی وجہ سے برگشتہ ہوئے مگر سید عبدالجبار شاہ صاحب نے اپنا لشکر مہیا کیا اور نہایت کامیابی سے انتظام کیا اور نواب صاحب والئی دربندان کے اصلی مددگار تھے، انہوں نے بہت مدد کی اور بہت بڑی لڑائی ہوئی جس کو "جنگِ صرا" کہتے ہیں۔ عبدالجبار شاہ کا لشکر کامیاب ہوا۔ نہایت دلیرانہ جنگ ہوئی۔ اس کی وجہ سے اہلِ سوات اور صاحبزادگان وغیرہ جماعت کا دل ٹوٹ گیا اور یہی خیال تھا کہ عبدالجبار شاہ کے خلاف ہرگز کامیابی نہیں ہو سکتی مگر کارِ قضا نے اپنا کام کرنا ہی تھا۔ وہ اس

طرح ہوا کہ ایک دن سید عبدالجبار شاہ کے دل میں وہم پیدا ہوا اور خطرات کے اسباب پیدا ہوئے مگر سید عبدالجبار شاہ صاحب ان اوہام وخطرات خیالی کی تاب نہ لا سکے اور ایک رات گھوڑے مہیا کر کے مع اپنے رفقائے خاص کے راتوں رات بھاگ گئے اور میدان خالی ہوگیا اور ریاست سوات کی بادشاہت اور تنظیم میاں گل صاحب کے لئے کامیاب ہوگئی۔

سید عبدالجبار شاہ صاحب کا تجربہ وانتظام اور سیاسی طاقت اس قدر ہو چکی تھی کہ ان کو نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا مگر مشیتِ ایزدی کا تماشہ ہمیشہ اسی طرح کرشمے دکھاتا ہے کہ انسان کے خود اپنے افعال اس کے مخالف ہو جاتے ہیں چنانچہ ان کے اپنے عمل سے ان کی بادشاہت ختم ہوگئی اور قوم کا تعلق میاں گل کے ساتھ پیدا ہوگیا۔ کوئی ظاہری سامان موجود نہ تھے بلکہ یہ صرف دعاؤں ہی کا نتیجہ تھا۔

واضح ہو کہ جنگِ صرا سید عبدالجبار شاہ صاحب جیت چکے تھے مگر نتیجہ ان کی خواہش کے خلاف ہوا۔ اس کے بعد سید عبدالجبار صاحب اور نواب صاحب بہادر کو ہماری ہمدردی کا علم ہو چکا تھا اس لئے نواب صاحب بہادر نے سید عبدالجبار شاہ کو موہڑہ شریف روانہ کیا مگر سید عبدالجبار شاہ صاحب کی دانشمندی اور دماغی حیثیت کی ہر انسان اسی طرح قدر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس طرح صراف اصلی سونے کی قدر وعزت کرتا ہے القصہ میاں گل صاحب (گل بادشاہ صاحب) اور شیریں بادشاہ حکومت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور بارہا اندرونی مخالفتیں ہوئیں مگر یہ چیز بڑھتی ہی گئی اور ہماری جماعت اور ہماری ہمدردی ان کے ساتھ شامل رہی۔

اس کے بعد بادشاہ صاحب سوات میاں گل صاحب کے اہلکار اکثر اوقات دریائے سندھ (انڈس) کو عبور کر کے اس علاقہ آزاد میں دخل دیا کرتے تھے اور سلسلہ مخالفت قائم کیا تھا۔

**نوٹ:** ''یہ ذکر بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ میاں گل صاحب اور ان کے بیٹے جہاں زیب کا دور حکومت 1916ء سے 1969ء تک تقریباً 53 سال تک رہا۔ آخر جنرل یحییٰ خان کے دور اقتدار 1969ء میں جب اس نے دوسری ریاستوں کے خاتمے کا اعلان کیا اُس کے ساتھ یہ ریاست بھی ختم ہوگئی اور اب یہ براہِ راست حکومت پاکستان کے زیر انتظام ہے۔'' (راقم الحروف)

سوات ریاست سندھ سے پار واقع ہے اور ابا سندھ سے اس طرف ریاست انب در بند واقع ہے جہاں حدود ریاست انب در بند ختم ہوتے ہیں۔ اس کے آگے علاقہ غیر شروع ہوتا ہے۔ یہاں پر گاؤں تلی، سیدان اور بکریا ہیں۔ اس سے آگے کا علاقہ غیر اکازائی اور پلوسہ حسن زائی شروع ہوتا ہے۔ ان اقوام کی آبادی کے ساتھ اقوام چغرزائی لوگ آباد ہیں اور ان کے ساتھ ایک علاقہ جو سادات کے قبضہ میں ہے وہ گانیاں کہلاتا ہے۔ یہ اقوام دریا کے کنارے پر پہاڑی

علاقہ میں آباد ہیں مگر نہایت جنگجو اور جنگ آزما ہیں اور پختہ زباں اور پختہ کار ہیں۔ یہ سب اقوام ہماری مرید ہیں۔ تقریباً انہی کے قبضہ میں دریائے سندھ کا یہ علاقہ ہے۔ اس کے آگے مشرقی حصہ میں ''اوگی'' کا بازار ہے۔ یہاں پولیٹیکل ایجنٹ اور سرحدی پولیس (بارڈر فوج) بھی رہتی ہے۔اس کے آگے علاقہ نندہاڑ ہے۔ یہ ایک وسیع علاقہ ہے اور تقریباً میدان ہے اور زمین زیادہ آبی ہے۔اس کی حدود ایک طرف دریائے سندھ سے ملتی ہیں دوسری طرف کشمیر سے ملتی ہیں۔ یہ علاقہ بڑا زرخیز ہے۔ چاول، گندم اور مکئی یکساں پیدا ہوتی ہے۔اس ملک کے اطراف میں اور چغرزائی اقوام کے علاقہ میں بہت بڑے بڑے جنگلات ہیں جن میں دیودار، بدلو اور بیاڑ کے بہت بڑے درخت ہیں اور یہ جنگلات ان اقوام کے قبضہ میں ہیں۔نندہاڑ کے آگے الائی کا علاقہ ہے۔ یہ جگہ بہت مشہور ہے اور اس آزاد ملک کی اقوام کی آخری سرحد ہے۔الائی ایک وسیع علاقہ ہے۔میدانی پہاڑ اور جنگلات دیودار، بدلو اور بیاڑ کے ہیں۔کوہستان کا ایک حصہ ابا سندھ سے پار ہے اور ایک حصہ اسی طرف ہے۔ پار کے حصہ میں حکومت سوات نے تجاوز کر کے کئی علاقے قبضہ میں کر لئے مگر اس طرف کا علاقہ آزاد ہے۔اس کا مشرقی حصہ کشمیر سے بالکل ملحق ہے اور شمالی حصہ میں چلاس اور تانگیر ہے جو تبت کی طرف لگتا ہے۔ یہ بہت زرخیز ہے۔ چلاس میں بازار ہے جہاں ایک افسر حکومت انگریزی کی طرف سے رہتا ہے اس کو ملکی صاحب کہتے ہیں۔ اس کوہستان کے حسب ذیل علاقے ہمارے قبضہ میں آئے اور تمسک سرکاری کی رو سے یہ جنگلات میرے خرید کردہ ہیں اور ان کے متعلق اقوام سے معاہدے ہیں۔کھندیا، دوبیر، ٹکئے، ڈونگ بن، لچیموڑ پاکس، گوہیر متعلق کوئی، تانگیر، اوتہور، کلو کئی مقامات پر ہمارا کام بھی جاری تھا۔کسی قدر اس ملک کی تفصیل لکھ دی گئی تا کہ معاملہ آسانی سے سمجھ آسکے۔

القصہ حکومت سوات نے اقوام چغرزائی کو سخت تکلیف دی اور ظلم کئے۔ان اقوام نے ہمارے پاس درخواست و فریاد کی۔ والئی سوات اور ہماری مخالفت ان اقوام کی وجہ سے ہوئی۔ والئی سوات نے ظلم کا سلسلہ جاری رکھا۔ باوجود کوششِ بلیغ کے باز نہ آئے۔آخر ان کے متعلق پشاور کے گورنر مسٹر پیئرز کو ہم نے مراسلات روانہ کئے مگر گورنر والئی سوات کی طرف داری میں پختگی کے ساتھ قائم رہے۔ ہمارے ساتھ کوئی درست و مناسب برتاؤ نہ کیا۔ بائیس دفعہ مراسلات روانہ کئے اور ان اقوام کے جرگے روانہ کئے مگر گورنر نے ایک نہ مانی۔ گورنر ان اقوام سے ذاتی ناراضگی اس بنا پر رکھتے تھے کہ ان اقوام نے حکومت انگریزی کے زیر سایہ رہنا منظور نہ کیا تھا اور سرکاری سروے پارٹی سے مخالفت کی تھی اور جواب دیا تھا کہ بغیر پیر صاحب کے حکم کے ہم گورنمنٹ کے سروے کی اجازت نہیں دیتے۔ آخر تنگ آکر خاموشی اختیار کر لی۔

## حاجی صاحب ترنگ زئی

اسی اثناء میں حاجی صاحب ترنگ زئی کی گورنمنٹ سے لڑائی شروع ہوگئی اور حکومت کا مالی اور جانی نقصان بہت زیادہ ہوا۔ اس طرف کی اقوام متفقہ طور پر جنگ میں شریک تھیں۔ حکومت انگریزی نے خاص ذرائع سے معلوم کیا کہ حاجی صاحب ترنگ زئی پر اور نیز ان کی اقوام پر پیر **نظیر احمدؒ** کا اثر زیادہ ہے۔ اس لئے حاجی صاحب ترنگ زئی پر پیر صاحب کے ذریعہ زور ڈال کر صلح کرائی جائے۔

چنانچہ گورنر صاحب لاہور نے مسٹر سی۔ سی۔ گاربیٹ ڈپٹی کمشنر راولپنڈی کو موہڑہ شریف بھیجا اور مجھے صلح کرانے کے لئے اصرار کیا اور گونا گوں خدمات لنگر کے لئے وعدے کئے گئے۔ آخر میں نے ایک مراسلہ اور ایک جرگہ اپنے آدمیوں کا روانہ کیا اور حاجی صاحب ترنگ زئی مان گئے اور صلح ہوگئی۔ اس صلح کرانے میں اور لڑائی بند کرانے میں پیر مولوی رحمتہ اللہ صاحب اور بابو محمد حسین قریشی صاحب نے خصوصی خدمات انجام دیں اور کامیاب ہوئے۔

## والئی ریاست سوات کا ظلم

صلح ہو جانے کے بعد ہم نے ایک عرضی وائسرائے کو روانہ کی کہ والئی ریاست سوات کو ظلم کرنے سے منع کیا جائے اور ہم کو اسلحہ کی کافی امداد دی جائے تا کہ ان اقوام کی ہم امداد کر سکیں اور ان کی حفاظت ہو۔ اس عرضی پر گورنمنٹ نے ہماری مرضی کے خلاف جواب دیا اور مجھ کو بلایا۔ چنانچہ میں شملہ گیا۔ وہاں گورنمنٹ آف انڈیا نے میری بہت عزت کی اور حقِ مہمانداری ادا کیا اور مجھے حکم دیا کہ ایک پیر زادہ ہی تھا جس نے سوات میں کوشش کر کے اپنی ریاست بنائی۔ ہم نے بھی اس کی امداد کی تھی اب وہ ہماری رعیت اور ہمارا دوست ہے۔ آپ ہم سے باغی اقوام کے لئے امداد طلب کرتے ہیں اس لئے ہم یہ پسند نہیں کرتے اگر آپ کو امداد کی ضرورت ہے تو بہتر صورت یہی ہے کہ آپ بھی ان اقوام میں تنظیم قائم کریں اور اپنے اثر کے ماتحت ان کو متفق کر کے آپ اپنی ریاست قائم کریں اس صورت میں ہم آپ کی امداد کر سکتے ہیں۔

چنانچہ خان بہادر غیاث الدین صاحب امرتسری اور آنریبل مسٹر ہاول پولیٹیکل سیکریٹری، فارن سیکریٹری و پریذیڈنٹ فرنٹیئر کمیٹی نے یہ کام مکمل کیا اور مسٹر ویلی بھی شامل ہوئے اور تین دن میں یہ کام مکمل ہوا اور کاغذات پر میرے دستخط بطور معاہدہ ہوئے اور بہت سی شرائط بھی بتلائی گئیں اور ایک مراسلہ دستی مجھے بطرف پیئر ز گورنر پشاور دیا گیا۔ یہ مراسلہ خان بہادر غیاث الدین صاحب کے ذریعے مجھ کو پہنچایا گیا۔ اس کے ساتھ دستی چٹھی میرے نام تھی کہ یہ مراسلہ آپ گورنر پشاور کو دے دیں۔ چنانچہ وہ پہنچا دی گئی۔

## علاقہ غیر میں ریاست کا قیام

نہایت تعجب اس پر تھا کہ میں ابھی شملہ میں ہی تھا کہ تین عدد ٹیلیگرام مجھے موصول ہوئے جو اقوام نصرت خیل، بسی خیل، حسن زئی کی طرف سے تھے کہ ہم نے متفقہ طور پر آپ کو اپنا حاکم تسلیم کیا اور ایک جرگہ چالیس معززین وطن کا آپ کی طرف روانہ کیا جاتا ہے اور دو چار روز کے بعد گھر سے بھی مفصل چٹھی پہنچی کہ اقوام غیر کا چالیس آدمیوں کا جرگہ آپ کے انتظار میں بیٹھا ہے چنانچہ میں واپس موہڑہ شریف آیا اور جرگہ سے وعدہ کیا اور وہ واپس گیا۔

## گورنر پیئر ز کی کاروائی

گورنر پشاور کی اس اثناء میں میرے ساتھ ذاتی مخالفت اس بناء پر زیادہ ہوگئی کہ گورنر نے مسٹر کالرج جنرل آفیسر ناردرن کمانڈ راولپنڈی کو دوستانہ طریقہ پر کہا کہ پیر **نظیر احمد** صاحب اور ہمارے معاملے کا فیصلہ کرائیں کیونکہ گورنر پیئر ز والئی سوات کے پختہ دوست تھے اور ان کو والئی سوات کی طرف سے یقین کرایا گیا تھا کہ پیر **نظیر احمد** صاحب والئی سوات کی بربادی کے لئے یہ کاروائی کر رہے ہیں۔ اب وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ ان باقی اقوام کی امداد چھوڑ دیں اور کوئی نیا سلسلہ حکومت کا پیدا نہ کیا جائے۔ حالانکہ کئی دفعہ ان کو مراسلات ارسال کئے گئے۔ وہ اس معاملہ کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور سخت مخالف تھے مگر باوجود ان کے اصرار کے میں نے اپنے ارادے کو نہ چھوڑا۔ اب ان کو ضرورت ہوئی کہ میں امن اور صلح سے ان کی رائے سے متفق ہو جاؤں اس لئے اپنے دوست جنرل کالرج کو درمیان میں واسطہ بنایا۔

جنرل کالرج بڑے سمجھدار اور اخلاقی جرأت میں کمال رکھتے تھے۔ انہوں نے مجھے تسلیم کرایا کہ میں اب علاقہ غیر کو ٹھیا گلی سے ہی جایا کروں اور تاریخ بھی خود انہوں نے ہی مقرر کر دی اور اصرار کیا کہ گورنر کے بنگلہ پر ٹھہر کر کھانا وہاں کھائیں گے۔ میں نے منظور کر لیا اور یہ پروگرام مرتب ہو گیا مگر دوسرے دن ایک اور بات میرے خیال میں آ گئی کہ میں گورنر کے بنگلہ پر کھانا کھاؤں گا یہ اگرچہ ممنوع تو نہیں لیکن اس میں ایک صورت بڑے نقصان کی ہے وہ یہ کہ کھانا کھاتے وقت میرا فوٹو بھی لیا جائے گا اور ملک اور علاقہ غیر کے علماء کو بتلایا جائے گا کہ پیر صاحب تو گورنر کی طرف سے آ رہے ہیں بلکہ پیر صاحب گورنمنٹ کے لئے سب کچھ کر رہے ہیں۔ اندریں صورت ممکن تھا کہ اقوام میں بددلی پیدا ہو جائے اور ملک میں میرے خلاف پروپیگنڈا شروع ہو جائے۔ جس طرح امان اللہ خان شاہ کابل کے خلاف کیا گیا۔ یہ خیال اس لئے بھی آیا کہ ان دنوں ایک پارٹی نے مشہور کر رکھا تھا کہ پیر صاحب انگریزوں سے کئی لاکھ روپیہ لے کر ملک کو

رعیت کرنے میں مشغول ہیں۔ بہر حال یہ خطرات غالب آنے پر میں نے ایک تار گورنر کو روانہ کر دی کہ اس مقررہ تاریخ کو ہم نہیں آ سکتے کوئی خاص مجبوری پیدا ہوگئی ہے۔ اب جب یہ تار پہنچا تو گورنر برافروختہ ہو گئے۔ ان کے معتمدوں نے اس پر حاشیئے چڑھائے اور مجھے حکومت کا دشمن قرار دیا گیا۔ چونکہ گورنر کا رویہ مخالفانہ تھا اور ان سے نقصان پہنچنے کا خطرہ دامن گیر تھا اور کام بھی ایسا درپیش تھا جس کو انجام دینا میں ایک اسلامی خدمت خیال کرتا تھا اور اس گورنر نے بہت زیادہ ظلم علاقہ غیر کے لوگوں پر کئے تھے اور ہر شخص اس کو برا سمجھتا تھا۔ لوگوں سے حالات سن سن کر میرے اپنے تفکرات بڑھ گئے تھے آخر بہ تقاضائے بشریت میں نے گورنر کے خلاف ''ارسال ہوا تف'' کی کاروائی شروع کر دی جو طریقت کے خواص لوگوں کا خاص معمول ہے۔

''ارسال ہوا تف'' کا عمل دشمن کو ذلیل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ وہ خواہ بادشاہ ظالم و دشمن ہو، خواہ کوئی قوم ہو، خواہ قوم کا فرد ہو۔ دنیا میں بادشاہوں کو فوج اور ہتھیار دیے گئے تو سالکین اور خدائی نوکروں کو یہ ہتھیار دیا گیا ہے۔ اس ہتھیار سے بادشاہ بھی، فوج بھی اور قوم بھی سب غرق ہو سکتے ہیں البتہ یہ چیز خدا کے نوکروں کو حاصل ہوتی ہے۔ جو خدا کے لئے خفا ہوتے ہیں اور خدا ہی کے لئے خوش ہوتے ہیں اور یہ کام بھی خدا کی نوکری میں ہی کرتے ہیں۔ یہ اسی مالک کی رضا مندی کے لئے کرتے ہیں۔ جس طرح غزا اور جہاد مخالفین اسلام و مخالفین اہل اسلام سے کرنا ضروری ہے۔

اس موقع پر یہ خیال نہ ہو کہ یہ کوئی جادو ہے۔ جادو کرنے والا خدا کی طرف سے مقہور اور مغضوب ہوتا ہے۔ یہ چیز صرف خدا سے کسی خاص طریقہ پر دشمن سے مقابلہ کر کے فتح حاصل کرنے کی تجویز اور طریقہ ہے۔ یہاں پر یہ بھی خیال نہ ہو کہ جہاد اور غزا دشمن کفار کو فنا اور قتل کرنے کے لئے ہے بلکہ احکام جہاد کی اصلی فلاسفی یہ ہے کہ جو لوگ منہ سے اسلام اور ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو آزمانا مقصود ہے۔ اگر یہ حکم نہ ہوتا تو دعویٰ اسلام کی صداقت اور منافقت کی تفریق ناممکن تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی عملی طور پر ثابت کرنا مقصود ہے کہ انسان خدا کی محبت میں بھائی، دوست، فرزند اور اقرباء کو کچھ نہیں سمجھتا بلکہ اس کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے سب کچھ قربان کر سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کا حقیقی دوست، غلام اور مسلمان ہے۔

## جہاد کی حقیقت

اختصار کے ساتھ یہ بھی واضح کرنا مناسب ہے بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اسلامی جنگ، غزوات اور جہاد کا سلسلہ اس لئے تھا کہ کفار کو قتل کر کے اور زور ڈال کر مسلمان کیا جائے۔ یہ بالکل غلط خیال ہے یہ مخالفین کی بے بنیاد

بکواس ہے۔ جہاد کے لئے حکم الٰہی ہے:

**وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط** ﴿آل عمران : 154﴾

''اور جو تمہارے دل میں ہے اس کو صاف کرنے کے لئے ہے''

نیز جہاد کے احکام سب مدافعت دشمن میں واقع ہوئے ہیں اور بعض جن کی بظاہر شکل حملہ کی ہے وہ بھی درحقیقت مدافعتِ حقیقی ہے ورنہ اسلام تو ایک حقیقت قلبی کو صحیح کرنے کا نام ہے۔ جو کسی طرح بزورِ شمشیر نہیں ہو سکتی بلکہ علم کی درستگی سے ہوسکتی ہے یعنی علمی طور پر غلط بات کو واقعی غلط جاننا اور صحیح کو واقعی صحیح سمجھنا۔ بہت ممکن ہے کہ جنگی آزمائش سے بھی علم میں تغیر پیدا ہو سکے مگر جہاد اور غزوات کی حقیقت یہی ہے جو بیان کی گئی، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

## گورنر پیئرز سے ملاقات

اب حسبِ پروگرام موہڑہ شریف سے علاقہ غیر کی طرف ہم روانہ ہوئے۔ ملک پنجاب کے اضلاع سے ضلع راولپنڈی، ضلع جہلم، ضلع سرگودھا سے اور ایبٹ آباد اور پونچھ کے اضلاع سے چند معززین تقریباً دوسو میرے ہمراہ تھے۔ تجویز یہ قرار پائی کہ جن شرفاء کے گھوڑے موجود نہ تھے وہ بذریعہ ریل گاڑی راولپنڈی اسٹیشن سے حویلیاں پہنچیں اور وہاں سے موٹر کرایہ پر لیں اور جن کے پاس گھوڑے موجود ہوں وہ میرے ہمراہ گلیات کے راستہ سے جائیں چنانچہ ہم روانہ ہوئے۔ جب نتھیا گلی گورنمنٹ ہاؤس کے قریب پہنچے تو میں نے گورنر کے سیکریٹری حاجی غلام نقشبند خان صاحب کو اطلاع دی کہ جا کر گورنر صاحب سے دریافت کریں وہ اگر ہم سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ہم موجود ہیں۔ چنانچہ گورنر صاحب نے جواب دیا کہ وہ ہمارے حکم اور ہماری ملاقات کے مخالف ہیں اس واسطے ہم بھی ان کی ملاقات کو پسند نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں میں نے کہا کہ گورنر کی خاص مہربانی ہے کہ ان کا قیمتی وقت ضائع ہوا اور نہ ہی ہمارا۔ ہم نے آج ہی ایبٹ آباد پہنچنا ہے۔ گورنر کا شکریہ۔ اس کے بعد حاجی صاحب سیکریٹری فوراً واپس آئے کہ گورنر نے بلایا ہے۔ تھوڑی دیر ملنا ضروری ہے تشریف لے آئیں۔

چنانچہ ملاقات ہوئی اور گورنر نے گفتگو میں یہ حکم بار بار سنایا کہ آپ اسی جگہ سے واپس جائیں اور آگے ہرگز نہ جائیں۔ میں نے یہ حکم منظور نہ کیا۔ بہت ضروری وجوہات بیان کئے مگر صاحب بہادر نے ایک نہ مانی۔ آخر بہت غضب ناک ہوگئے اور کھڑے ہوگئے اور مجھے مخاطب کر کے زمین پر زور سے پاؤں مار کر کہا کہ گورنمنٹ برطانیہ کی بڑی طاقت ہے۔ اگر گورنمنٹ چاہے تو تمام اسلامی طاقت کو تباہ کر دے اور موہڑہ شریف کی تو حقیقت ہی کیا ہے۔ موہڑہ شریف کو

اور آپ کی جماعت کو ایک دن میں نابود کر سکتی ہے آپ کی کوئی طاقت نہیں چلے گی۔ جو کچھ مرضی ہو کریں بہت جلدی آپ کو پتہ چل جائے گا۔ اس درجہ پر پہنچ کر مجھے اور میرے ساتھیوں کو کوئی ہوش نہ رہا اور اسی حالت میں اور غم و غصے میں ہم باہر روانہ ہوئے۔

حاجی غلام نقشبند خان صاحب وہاں موجود تھے۔ میں غصہ کی حالت میں بجائے باہر کے دروازہ کے گول کمرہ کے اندر چل پڑا مگر سیکریٹری صاحب نے راستہ بتایا اور ہم باہر آ گئے۔ تقریباً ایک سو قدم تک پہنچے۔ حاجی صاحب سیکریٹری ہمراہ تھے اور سب ملازمان گورنمنٹ ہاؤس ہمارے ہمراہ تھے اور وہ بھی گفتگو سن چکے تھے۔ جب ہم نے ان کے ملازموں کو رخصت کیا تو سب نے پگڑیاں اتار دیں اور دعا کی کہ خدا اس لاٹ صاحب سے آپ کو نجات دے یہ بہت ظالم ہے۔ لاٹ صاحب شیشے والے دروازے میں سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ہم تو گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے آئے بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے سیکریٹری صاحب کو فوراً بلایا اور پوچھا کہ ہمارے ملازم کیا کر رہے تھے اور پیر **نظیر احمد** صاحب کے ساتھ کیوں جا رہے تھے ہم نے خود دیکھا ہے، جواب دو۔ سیکریٹری صاحب نے جواب دیا کہ یہ مسلمان ہیں اور وہ مسلمانوں کے پیر ہیں ان کو یہ سلام کرتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں۔ اس پر لاٹ صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی بات نہ کی۔

اب ہم جا رہے تھے صرف دو آدمی گھوڑوں کے آگے پیدل جاتے تھے ان کے ساتھ گھوڑے بھی چل رہے تھے۔ ورنہ ہرگز ہم کو کوئی احساس نہ تھا کہ ہم زمین پر ہیں یا آسمان پر ہیں۔ صرف گھوڑے پر بیٹھے تھے۔ خصوصاً میرا اپنا یہ حال تھا کہ میں بالکل محوِ حیرت تھا کہ یا اللہ میں اب کیا کروں۔ اس ظالم سے کس طرح جان بچاؤں یہ تو ساری کاروائی کل ہی کر لے گا۔ آفیسروں کو ٹیلی فون پر حکم جاری کرے گا۔ اچھا خدا ہی حافظ ہے۔ ہم نے ایک مہینے سے اس کی بارگاہ میں اس کے خلاف عرضی دی ہوئی ہے۔ مجھے تسلی رکھنا چاہیے جو کچھ بھی ہوگا مالک کی طرف سے ہی ہوگا۔

القصہ تقریباً ایک بجے ہم گورنمنٹ ہاؤس سے رخصت ہو چکے تھے اور چار بجے بعد دوپہر تک چلتے رہے۔ آخر دھمتوڑ (ایبٹ آباد) کے قریب ایک مقام جس کا نام تھائی ہے وہاں جا پہنچے تو سب آدمی بھی تھک گئے۔ اس وقت ایک آدمی نے مجھے کہا کہ اگر آپ حکم دیں تو یہاں چند منٹ آرام کیا جائے کیونکہ ہم سب لوگ تھک گئے ہیں۔ میں نے کہا بے شک آرام کرو مگر گھوڑوں سے اترنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ گھوڑے کھڑے ہو گئے۔ وہاں ایک عجیب تماشا سامنے آیا وہاں ایک مشین گراری لگی ہوئی تھی اور مشین کے انجن سے ملحقہ تار کئی ہزار گز تھی۔ وہ گول چکر میں پھرتی تھی اور اس موٹی تار کے ساتھ لوہے کے بڑے بڑے پنجے جکڑے ہوئے تھے۔ ان پنجوں سے گیلیاں جکڑ کر ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر پہنچاتے تھے۔

وہ تار گھومتی نظر آتی تھی۔ سب نے دیکھی اور سب نے کہا کہ عجیب تماشا ہے۔ کسی نے کہا کہ اگر یہ گر جائے تو اور بھی اچھا تماشا ہو۔ اس نے یہ لفظ ابھی کہا ہی تھا کہ وہ پنجہ ٹوٹ کر نیچے گہرے کھڈ میں جا گرا اور بہت شور ہوا۔ واقعی تماشا بن گیا سب بڑے محظوظ ہوئے۔ یہ ٹھیک چار بجے کا وقت تھا۔ میں عالمِ حیرت میں تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یا اللہ کیا عجیب معاملہ ہے کہ ابھی اس کے منہ سے الفاظ نکلے اور فوراً تیری طرف سے وہ پنجہ نیچے گرا دیا گیا اور تماشا ہو گیا۔ مجھ کو تیری ذات کی قسم ہے کہ تیری قدرت میں یہ اس سے بھی زیادہ آسان ہے کہ گورنر کے ظلم سے مجھے اس سے بھی جلدی نجات دے سکتا ہے۔

اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے اور شام تک سفر کر کے دھمتوڑ پہنچے۔ تقریباً کئی ہزار آدمی استقبال و ملاقات کے لئے حاضر تھے۔ سب سے ملاقات جلدی جلدی کی اور نمازِ مغرب ادا کی گئی اور لوگوں کو کھانا کھانے کے عذر سے علٰیحدہ کیا گیا۔ ہمارے ہمراہی بھی آرام کے لئے ڈیرہ پذیر ہوئے مگر مجھ کو تو جس طرح پھانسی کے ملزم کو چین نہیں آتا، کوئی چین نہ تھا۔ رات کو آرام نہ کیا۔ سحری سے قبل ہی بابو محمد شفیع خان کو ''خدا خوش رکھے'' کہ وہ میرے غم کے اثر میں اپنے آپ کو شریک رکھتا تھا اسے کہا کہ ایک کوزہ پانی اور مصلیٰ لے کر کسی میدان میں چلو میں وہاں علٰیحدہ بیٹھوں گا اور اسی جگہ نماز ادا کروں گا۔

چنانچہ باہر تھوڑی دور ایک میدان سبزہ زار ملا وہیں بیٹھا رہا۔ صبح نماز ادا کی اور وہیں بیٹھا رہا۔ کسی شخص کو پاس آنے کی اجازت نہ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد بابو محمد شفیع خان نے آ کر مجھے کہا کہ دو آدمی کھڑے ہیں اور خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ پیر صاحب کو سلام کریں گے اور کوئی بات نہیں کریں گے ہم کو اجازت دیں۔ چنانچہ میں نے بلایا۔ جب وہ رخصت ہونے لگے تو میں نے پوچھا کہ اس قدر جلدی جانے کا کیا سبب ہے۔ انہوں نے کہا کہ لاٹ صاحب مر گئے اور چونکہ ہم ڈرائیور ہیں آفیسروں کو لے کر جا رہے ہیں۔ میں نے سمجھا کہ کوئی جرنیل وغیرہ مر گیا ہو گا یا کوئی اور سلسلہ ہے۔ چند منٹ کے بعد چار آدمی اور آئے اور اسی طرح صرف سلام کرنے کی درخواست کی۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اب قابلِ دریافت بات ہو گئی۔ اس کے بعد دوسرے آدمی بھی اسی طرح آئے ان سے پختہ طور پر دریافت کیا انہوں نے کہا جناب وہ بڑے لاٹ صاحب فوت ہو گئے ہیں اور تمام آفیسر جا رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے بابو محمد شفیع خان کو کہا کہ جاؤ ٹول گیٹ والوں سے پوچھو۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اب پورا شک پڑ گیا۔ میں اسی جگہ بیٹھا رہا اور بابو محمد شفیع کو حکم دیا کہ ایک موٹر میں فوراً ایبٹ آباد جاؤ۔ سیدھے ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر جاؤ اور اصل بات کی خبر لاؤ۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ اسی اثناء میں سب لوگ اسی میدان میں میرے سامنے بیٹھتے گئے اور سب میدان بھر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد محمد شفیع خان صاحب واپس آ گئے اور بتلایا کہ جب وہ ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ پر پہنچا تو آگے سے بابو محمد جان

صاحب سپرنٹنڈنٹ ضلع باہر آ رہے تھے انہوں نے کہا کہ لاٹ صاحب فوت ہو گئے ہیں اور سب دفاتر اور کچہریوں کے بند کرنے کے احکام جاری کئے گئے ہیں۔

جب یہ خبر بتائی تو میں نے فوراً بارگاہِ الٰہی میں سجدہ شکر ادا کیا۔ کئی لوگوں نے بھی ایسا کیا۔ مگر میں حیران تھا کہ کیا ہوا۔ اس سرگزشت اور خبر کی بھی تسلی نہ تھی اور شک تھا کہ یہ خواب دیکھ رہا ہوں اور بیداری میں ہوں۔

**؎ یہ بیداری است یا رب یا بخواب است**

## گورنر کی موت

القصہ مالک الملک واقعی بدیع العجائب ہے۔ نہایت تھوڑے وقت میں عظیم الشان غم کو کس طرح بدل دیا اور آگ جلانے والے شخص کو خود ہی تباہ کر دیا۔ لاٹ صاحب کا قد بہت لمبا اور موٹا تھا اور جسم طاقتور تھا۔ **نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِک** نہایت معتبر ذرائع سے حقیقتِ واقعہ اس طرح معلوم ہوئی کہ اُس روز ہماری ملاقات کے بعد انہوں نے کھانا وغیرہ کھایا اور کام کچھ نہیں کیا۔ چار بجے چائے پینے کے بعد باہر نکلے۔ لیڈی صاحبہ بھی باہر آئی اور سیر کے لئے روانہ ہوئے۔ اس کے قریب خاص اردلی تھے آگے اور پیچھے چل رہے تھے۔ اس سے آگے اور پیچھے حفاظتی پولیس تھی اور درمیان میں لاٹ صاحب اور لیڈی صاحبہ چل رہے تھے۔

جب ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے لاٹ صاحب کا دفتر بھی قریب تھا اسی وقت سیکریٹری صاحبان، انگریز اور دیسی آفیسران دفتر چھوڑ رہے تھے۔ ٹھیک اسی وقت چلتے چلتے بائیں ہاتھ پر لاٹ صاحب تھے۔ انہوں نے ایک پھول توڑنا چاہا جو راستہ کے کنارے ایک ٹہنی پر تھا اور نیچے ہو کر پھول توڑنے کی کوشش کی مگر توڑتے ہی پیچھے سے ان کا کتا دوڑتا ہوا آن پہنچا۔ کتے کی ٹکر لاٹ صاحب کو لگی۔ وہ کتے کی اس ٹکر کو برداشت نہ کر سکا اور پھسل گیا۔ راستہ کے کنارہ سے سر کے بل پانچ چھ فٹ نیچے ایک پتھر پر گرا اور گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہ پتھر اپنی جگہ سے اُکھڑ پڑا اور وہ پتھر کبھی اس کی لاش کے اوپر کبھی نیچے کئی سو فٹ نیچے جا گرا اور وہ قیمہ قیمہ ہو گیا۔ علاقے کے گوجر اس کی لاش کے ٹکڑے بوری میں ڈال کر رسی کے ذریعے کھینچ کر اوپر لے آئے۔ چند ساعت قبل وہ غرور کے نشہ میں واہی تباہی باتیں کر رہا تھا۔ یہ اس کا حسرت ناک انجام تھا۔ **فَاعْتَبِرُوْا یا اُولِی الْاَبْصَارِ**

اسی اثناء میں سیکریٹریٹ سے آفیسر آ گئے۔ سب حیران تھے اور نہایت دردناک واقعہ سامنے ہوا تھا۔ جس کے سننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خداوند کریم کی اپنی مرضی ہر وقت، ہر حال میں اسی کے اختیارات چل رہے ہیں۔ باقی سب باتیں لغو اور فضول عذرات ہیں۔ خداوند کریم حلیم ہے اور ہم ہر وقت گناہ گار و مجرم ہیں۔

سوائے اس کی حلیمی کے اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِہٖ**

اگر اس سے آگے سفر کے حالات لکھے جائیں تو یہ مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لئے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

ہم سفر پر روانہ ہو گئے۔ موضع شیر گڑھ میں نواب صاحب انب در بند کے مجسٹریٹ صاحبان نے اور جملہ لواحقین نے نہایت خوش دلی اور عزت سے استقبال کیا اور مہمان داری کا انتظام کیا۔ مزید برآں دوسو تیرہ پٹھان اپنی بندوقوں کے ساتھ یہاں اس مقام پر ہمارے منتظر کھڑے تھے۔ جو اقوام مختلفہ کی طرف سے نمائندہ بن کر آئے تھے۔

چنانچہ اس سفر کے راستہ میں اوگی پولیٹیکل ایجنسی جو راستہ میں واقع ہے اس لئے ایک دن پولیٹیکل ایجنٹ انگریز جن کا نام شائد ''روز'' تھا انہوں نے ہمیں وہاں ٹھہرایا اور مہمان داری کی۔ ہم نے حسب ضرورت پولیٹیکل ایجنٹ کی معرفت چار سو بندوق انگریزی علاقہ ضلع ہزارہ میں پھرانے کی اجازت بھی حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ یہاں سے آگے پہاڑ کی اونچی چوٹی پر پہنچے غالباً وہ بہت اونچا پہاڑ تھا اس کا نام ''لچئے سر'' ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں انگریزوں کی قبریں دکھائی دیں۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ ''باٹی اور ملکی'' جنہوں نے مری کا علاقہ فتح کیا تھا وہاں قبضہ جمانے کے بعد اس طرف آئے تھے اور یہاں آ کر ان کا خاتمہ ہوا۔

اس پہاڑ کے اوپر ہم ٹھہرے اور نماز بھی ادا کی۔ اوپر سیدھا میدان بڑا خوش نما مقام تھا۔ یہاں پر میں نے اپنے ہمراہیوں کو علیحدہ علیحدہ بٹھایا اور ملاحظہ کیا تو عجب کیفیت دل میں پیدا ہوئی۔ ہمارے ہمراہ تقریباً سوآ دمی تھے مگر وہ لوگ جو ہمارے لشکر کا حصہ تھے ان کا شمار کیا گیا تو تین سو تیرہ آدمی تھے گویا وہی تعداد تھی جو اصحاب بدر کی تھی یعنی 313۔ جس خچر پر میں سوار تھا وہ سفید رنگ کی تھی جسے نواب صاحب انب در بند نے مجھے نذر کی تھی گویا غزوہ بدر کے ساتھ کئی امور میں مطابقت تھی۔ یہ مطابقت نیک فالی اور مالک کی غلامی کے آثار معلوم ہوئے اور یہ خیال پیدا ہوا کہ ہماری خدمت اسی کام کا جزو ہے۔

## بیعتِ سلطانی

اس کے بعد ڈھلوان پر سفر کر کے ایک مقام بلند کوٹ پہنچے۔ یہ مقام سنکڑی کا مرکز ہے۔ یہاں ہم نے بہت دنوں تک قیام رکھا اور تمام اقوام اسی جگہ یکے بعد دیگرے ہمارے پاس آتی رہیں اور مختلف امور پر بحث ہوتی رہی یعنی سیاسی، ملکی اور مذہبی امورات میں تحقیقات۔ یہ ملاقاتیں **جانبین** میں اطمینان کو مکمل کرنے کے لئے تھیں۔ اس کے بعد جامع مسجد میں ہر قوم کے لوگ جمع ہو کر آتے تھے اور سلامی دیتے تھے اور جامع مسجد میں بیٹھ کر بیعتِ سلطانی کرتے تھے

اور حلف اُٹھاتے تھے کہ خانگی فسادات اور مخالفتوں کو ترک کر کے متفقہ طور پر امن قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ بیعت میں یہی چیز مرکوز ہوئی کہ خدا اور رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل ہوگی اور پیر **نظیر احمد** کے حکم کے ماتحت جان و مال و بندوق قربانی کے لئے پیش ہوگی۔ سلامی کا یہ دستور تھا کہ ہر قوم جمع ہو کر ایک بڑا سنڈا (بھینسا) ہمراہ لاتے تھے اور باجا اور ڈھول اور تابعداری کی شرائط ادا کرنے کے بعد بندوق کے فائر کئے جاتے تھے چنانچہ دس روز تک یہ کاروائی ہوتی رہی اور سب اقوام سنکڑی، نصر خیل، بسی خیل، حسن زئی، سادات گانیاں وغیرہ وغیرہ اسی طرح حاضر ہوتے اور معاہدے تحریری بھی مکمل ہوتے رہے۔ اس دوران میں ڈپٹی کمشنر مسٹر ہاپکنسن کے تحریری مراسلات بھی ہم کو آتے رہے۔ حکومت انگریزی کا زور اسی پر تھا کہ والئی سوات کے خلاف کوئی کاروائی جاری نہ ہو۔ چنانچہ والئی سوات کی طرف سے ملاّئے مستونگ پوشیدہ مخبر سوات ہمارے پاس حاضر ہوتے تھے۔ غالبًا روزانہ ڈائری والئی سوات کو پہنچتی تھی اور حکومت انگریزی میں بھی اطلاع آتی تھی۔ اس سفر میں سامان بار برداری اقوام کی طرف سے تھی اور ہمارے ساتھ تقریباً دوسو معززین اضلاع پنجاب کے باشندے تھے۔ گھوڑے اور خچر سب نواب صاحب بہادر انب در بند کی طرف سے تھے اور ان کا معتمد خاص سیّد معروف شاہ ان کاموں کا ذمہ دار تھا۔ نہایت برد باد، سمجھدار اور منتظم آدمی تھا۔ کئی دنوں تک یہ سلسلہ بیعتِ سلطانی اقوامِ ملک کا یکے بعد دیگرے جاری رہا اور نماز جمعہ میں خطبہ بھی اسی بادشاہت کا جاری ہوا۔ ہر قوم آ کر سلامی کر کے بیعتِ سلطانی کر کے معاہدے تحریر کر کے واپس چلی جاتی تھی اور پھر دوسری قوم آتی تھی۔ حتیٰ کہ تمام اقوام بیعتِ سلطانی میں داخل ہو گئیں اور چلی گئیں۔ صرف دوسو ہمارے آدمی اور چار سو اقوام چغر زئی کے جوان جو ہمارے ڈیرہ پر پہرہ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے وہ رہ گئے۔

## سوات سے جنگ

چنانچہ ہر روز مخفی ڈائری والئی سوات کو پہنچتی تھی اور ان کے مظلوم لوگ ہمارے زیر سایہ آ آ کر پناہ گزین ہوتے تھے اور ہم ان کو منع نہیں کر سکتے تھے اور ملک میں جوش قلبی اور خواہش کے ساتھ لوگ اس کام میں شامل ہو رہے تھے۔ اس وجہ سے والئی سوات کو واقعی یہ بہت زور کا خطرہ ہوا کہ سوات ریاست ٹوٹ جائے گی۔ ادھر ان کے دوست گورنر مسٹر پیئرز بھی دائمی مفارقت دے گئے تھے۔ اس لئے والئی ریاست نے اپنا لشکر ایک بڑی تعداد میں مخفی طور پر قلعہ چکیسر میں جمع کر رکھا تھا اور اسی تاک میں تھا کہ جب یہ اقوام کا ہجوم ہٹ جائے تو بڑے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا جائے اور ہم کو مع لواحقین سفر کے ساتھ قتل کر دے۔ چنانچہ جب اقوام سب رخصت ہو گئے صرف چار سو آدمی ساتھ رہ گئے تو سواتی لشکر چکیسر سے رات کے وقت نکلا اور دیدل اور کماچ پہنچا اور رات کے وقت کشتیوں کے ساتھ دریا میں پل بنا کر ہماری طرف دریا عبور کرنا شروع کر دیا تو اس وقت ہمارے سپاہیوں اور پہرے داروں کو جو دریا کی چوکی پر

مقرر تھے، علم ہو گیا۔ ان لوگوں نے اونچی جگہ چڑھ کر آگ کا شعلہ بہت اونچا کیا تا کہ ہماری جماعت کو علم ہو جائے کہ لشکر والئی سوات حملہ آور ہو گیا ہے۔ مگر افسوس کہ اس وقت ہماری نفری بہت کم تھی۔ ان کے لئے کامیابی کا یہ موقع نہایت غنیمت تھا۔ ہمارے پنجاب کے معززین تو فوراً اپنی اپنی جگہ پر نیم جان اور نیم بسمل ہو گئے۔ یہاں تک کہ جگہ سے اٹھنا ہی محال ہو گیا۔ جہاں میرا ڈیرہ تھا اس کے ساتھ پیچھے چھوٹا قلعہ شنگڑئی موجود تھا۔ اس وقت بندوق والے ہمارے سپاہیوں نے فوراً تمام سامان اور انسان بمشکل شنگڑئی کے اندر داخل کئے اور خچریں بھی سنبھال لیں۔ یہ کام ختم کر کے میرے پاس آئے۔ میں اس وقت سویا ہوا تھا۔ گھڑی دیکھی تو رات ایک بجے کا وقت تھا۔ ان چغرزئی پٹھانوں نے مجھے کہا کہ سب آدمی اور سامان قلعہ میں داخل ہو گئے ہیں صرف آپ باقی ہیں اس لئے آپ بھی قلعہ میں تشریف لے چلیں اور ہم اپنی سرتوڑ کوشش سے لشکر کا مقابلہ کریں گے۔ وقت نازک آ گیا ہے اور بچنے کی امید نہیں ہے۔ دھوکے سے یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ ان کے لیڈر کین خان نے یہ گفتگو کی، باقی کھڑے دیکھ رہے تھے۔

میں نے خیال کیا کہ اب موت یقینی ہے اور قلعہ میں بھی بچاؤ کا مل ممکن نہیں کیونکہ چار ہزار سے زائد دشمن کا لشکر تھا اور اسباب و اسلحہ سے مکمل لیس ہو کر تیاری کر کے آیا تھا۔ اب قلعہ میں بند ہو کر کسی کے ہاتھ سے مرجانا علی الدوام کے لئے خود تو مر جائیں گے مگر نام بھی مردہ ہو جائے گا اس لئے ان پٹھانوں سے بھی آگے جا کر مرجانا بہتر ہے اور یہی خیال دل میں پیدا ہو گیا۔ میں نے کین خان کے سوال کے جواب میں کہا کہ کین خان اور میری عزت کے جملہ بھائیو، دنیا میں موت کا آنا ہر نفس پر قدرتی کام ہے اس سے بھاگنا غلط خیال ہے یہ مجھ سے کبھی نہ ہو گا کہ میں چھپ کر بیٹھوں اور تم لوگ قتل ہو جاؤ میں خدا کے فضل سے بے غیرت نہیں ہوں۔ میں نے بھی ایسی موت کی طلب کی ہوئی ہے۔ میری بندوق میرے پاس ہے تم تیار ہو جاؤ۔ انشاءاللہ سب آدمیوں سے پہلے جو شخص دشمن پر حملہ کرنے کے لئے پہنچے گا وہ میں ہی ہوں گا اور میرے قتل ہونے کے بعد تم اپنا فرض ادا کرو گے۔ یہ کہہ کر میں نے اپنی بندوق اٹھالی جو میرے سرہانے رکھی تھی اور اُٹھا۔ تمام پٹھان دیکھ رہے تھے اور میری گفتگو سن رہے تھے۔ تمام قوموں کے افراد پر بجلی کی طرح اثر ہوا اور فوراً میرے سامنے آ گئے اور تمام نے پگڑیاں اتار کر آسمان کی طرف اٹھائیں اور یہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم کو بادشاہ بھی ایسا ہی ملا ہے کہ جس کی مثال ہمارے ملک میں نہیں۔ اور آب دیدہ ہو کر کہا کہ پیر صاحب! اب آپ تسلی رکھیں۔ انشاءاللہ ہمارا ایک ایک آدمی سینکڑوں آدمیوں پر غالب ہو گا۔ آپ کے کلام نے ہمارے دلوں کو فولاد بنا دیا ہے۔ اب ہمارا مرا ہوا بھی شیر ہے۔ آپ خدا کے واسطے اب تماشا دیکھیں اور اسی جگہ پر ٹھہریں۔ چنانچہ میں ٹھہرا۔ زمان خان رئیس قوم بسی خیل ریوالور میں کارتوس ڈال کر میرے آگے بیٹھ گیا اور سب قوم حملہ کے لئے دوڑتی ہوئی معہ بندوقوں کے چلی گئی۔ قدرتی طور پر یہ تماشا ہوا کہ دشمن کا لشکر دریا عبور کر کے ہماری طرف دریا کے کنارے جمع ہو گیا

چونکہ چاندنی نہ تھی بلکہ اندھیرا گھپ تھا اس لئے ان کے افسران ہاتھ میں ٹارچ (بیٹری) لے کر پھر رہے تھے اوران کو پیش قدمی کے متعلق ہدایات دے رہے تھے کہ اسی لشکر کے ایک آدمی نے ہمارے آدمیوں پر فائر کر دیا۔ ہمارے آدمی کی ٹانگ ٹوٹ گئی مگر جوابی طور پر ہمارے آدمیوں نے بھی فائر کئے مگر ان کے لشکر کو نہ پتہ لگا کہ فائر کہاں سے ہوئے اس صورت میں خدا کی طرف سے ہماری فتح کا یہ سبب بنا کہ ان کے لشکر کو یہ وہم ہوا کہ شاید دشمن ہمارے لشکر میں آ کر مل جل گئے ہیں اس لئے ان کو سخت وحشت ہوئی اور گھبرا کر کسی ذمہ دار نے با آواز بلند کہا ''دُشمن پہ موبز کنبن کد سچد'' (ہم میں دشمن رل مل گیا ہے)۔اس پر انہوں نے اپنے آدمیوں کو واپسی کا حکم دے دیا اور لشکر نہایت پھرتی اور چالاکی و چستی سے جلدی واپس ہوا اور سب کے سب دریا کے پار ہو گئے۔ کماچ کے قلعہ میں جا کر دم لیا۔ صبح تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ صبح ہمارے آدمی فتح یاب واپس آئے۔ خداوند کریم نے فضل کیا اور اپنی قدرتِ کاملہ سے ہمارا بچاؤ اور ہماری فتح کی صورت پیدا کی۔ اس واقعہ کا لوگوں پر بھی عجیب اثر پڑا۔ اس کے بعد تین دن وہاں قیام کیا۔ رؤسا و معززین اقوام کو **علیحدہ علیحدہ** کام سپرد کئے گئے اور ڈاک رسانی کا انتظام کیا گیا اور ہم اپنے تمام رفقاء کے ساتھ وہاں سے واپس روانہ ہوئے۔ دوسرے دن دربند پہنچے اور نواب صاحب بہادر، وزراء صاحبان اور معززین کی معیت میں استقبال کے لئے تشریف لائے اور بڑے میدان میں بصورت جلسہ مجلس ہوئی۔ نواب صاحب بہادر نے بڑے تزک و احتشام سے مہمان نوازی کی۔ دوسرے دن وہاں سے براستہ گلیات روانہ ہو کر بمقام نتھیا گلی پہنچے اور تیسرے دن وہاں سے موہڑہ شریف آئے۔ دو تین دن کے بعد سب لوگوں کو اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ کر دیا۔

موہڑہ شریف سے روانگی کے وقت کسی قدر دل میں تشویش تھی کہ لاٹ صاحب مخالف ہیں نہ معلوم صورت حال کیسی ہوگی۔ اس لئے روانگی سے پہلے ہر روز صوفی اللہ دین صاحب (جو اظہارِ کشف کرتے تھے) سے میں خود پوچھتا تھا کہ آج کیا خواب یا مکاشفہ ہے۔ آخری دن جب پوچھا تو صوفی اللہ دین صاحب نے کہا آج میں نے عجیب خواب دیکھا اور وہ یہ ہے کہ بے شمار بتیاں ملک میں ہر طرف جل رہی ہیں ایک بڑی بتی بھی جل رہی ہے آپ نے بڑی بتی کو ہاتھ مار کر بجھا دیا اور فوراً تمام بتیاں گل ہو گئیں۔ اس خواب کی سمجھ نہ آئی تھی مگر جب گورنر راہئی مِلک عدم ہوئے اور تمام دفاتر اور کچہریاں بند ہو گئیں تو یہ خواب اس واقعہ کے بعد سمجھ میں آ گیا۔

اب ہم نے کچھ دن خاموشی رکھی تا کہ سرکاری ملازمین، رپورٹرز اور پولیٹیکل افسران و دیگر متعلقین کار سے گورنمنٹ کو رپورٹیں پہنچ جائیں اور گورنمنٹ حقیقت حال سے پوری طرح واقف ہو جائے تو ہم بھی گورنمنٹ کو حالات بیان کر کے نئے سامان ضروری مثل بندوق و خیمہ جات وغیرہ کا مطالبہ کریں۔ اس لئے تقریباً دو ماہ کے لئے خاموشی اختیار کی۔ اس اثناء میں اپنے اس علاقہ سے برابر ہمارا سلسلہ خبر رسانی کے ذریعے مفصل نئے حالات کی اطلاع

ہوتی رہی۔ موہڑہ شریف میں تقریباً دو ماہ قیام کے دوران مختلف قسم کے خیالات علاقہ غیر کوہستان کے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئے۔ اس نئی حکومت کے قیام کی صورت میں عوام الناس میں تو زندگی کی ایک نئی روح پیدا ہو گئی اس لئے کہ ان کو ظالموں کے ہاتھ سے نجات کی توقع اور امید پیدا ہو گئی۔ مگر بعض خوانین ملک جو غرباء کو تنگ کر کے ظلم سے مال پیدا کرنے کے عادی تھے انکو اپنی غلط زندگی خطرہ میں نظر آئی۔ طبقہ علماء تشویش میں پڑ گئے کہ اب کیا صورت عمل اختیار ہو۔ خوانین نے تنگ ہو کر اقوام پر اپنا قبضہ مضبوط رکھنے کے اسباب پر غور کیا اور غربا اور عوام الناس نے بے تابی کے ساتھ موہڑہ شریف آ آ کر بیعتِ سلطانی کا طریقہ عمل اختیار کیا۔

## خلاف پروپیگنڈا

والئی سوات نے مختلف ذرائع سے گورنمنٹ کے سامنے ہم کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ بلکہ گورنمنٹ کو بھی خطرہ میں ڈالا۔ حکومت کی طرف سے ہمارے پاس مختلف امور پر مراسلے آنے شروع ہوئے۔ چونکہ نواب صاحب بہادر انب در بند کو والئی سوات کے ساتھ نہایت مخالفت تھی اس لئے والئی سوات نے حکومت انگریزی کو اس طرف توجہ دلائی کہ پیر صاحب جو کچھ کر رہے ہیں نواب صاحب انب در بند کے لئے کر رہے ہیں کیونکہ نواب صاحب ان کے مرید صادق ہیں۔ اب حکومت انگریزی کی توجہ نواب صاحب بہادر انب در بند کی طرف مبذول ہوئی اور ان پر عتاب شروع ہوا اور مجھ سے دریافت شروع ہوئی کہ حقیقت الامر کیا ہے۔ چنانچہ میں نے جب حالات واضح کئے تو حکومت انگریزی کا شک نواب صاحب سے دور ہوا۔ اب کئی کیفیات کا معاملہ میرے ساتھ شروع ہوا۔ اس موقع پر خوانین کے ماتحت لوگ ان سے آزاد ہو رہے تھے۔ خوانین نے تنگ آ کر نہایت پُرزور فریاد ہمارے خلاف گورنمنٹ سے شروع کی اور بربادی و تباہی کے جھوٹے قصے بنائے۔ والئی سوات اپنی مکمل کوشش سے مخالفت کر کے اپنی طاقت سے ہمارے مقابلے کی تاب نہ لا سکے تو حکومت یعنی بارگاہ انگریزی میں فریادیں پیش کیں۔ حکومت پر اثر نہ ہوا تو لاکھوں اشخاص اقوام باشندگان جو حدود کابل تک ہیں ان کی ناراضگی اور بغاوت کے قصے بنائے، ان کا رعب بیان کیا اور یہ الزام ہمارے خلاف جاری ہوئے کہ ہمارا یہ سارا کام بالشویک کی امداد سے چل رہا ہے۔ خوانین کے جرگے گورنمنٹ کے پاس پے در پے پیش ہو رہے تھے۔ ان کی فریادیں ہمارے خلاف تھیں۔ اب نہایت تعجب اس بات پر ہو رہا تھا کہ وہ خوانین جو ملک کے فنا کرنے کے زور کا اظہار کر رہے تھے اب عاجز اور لاچار ہو کر گورنمنٹ کے سوالی بن گئے اور گورنمنٹ کے دروازے پر ہمارے خلاف فریاد کرتے تھے اور امداد کے طلب گار تھے۔ یہ وہی خوانین تھے جو قبل ازیں گورنمنٹ کے دروازے پر جانا کفر سمجھتے تھے اور ہر ایک کے پاس ایسے کئی مفرور رہتے تھے جن کی گرفتاری کے لئے گورنمنٹ نے ہزاروں روپے انعام مقرر کر رکھا تھا اور یہ مفرور خوانین گورنمنٹ کو نہیں دیتے تھے۔ اب یہی خوانین گورنمنٹ کے پاس عاجزی کر رہے

تھے۔ یہاں خوانین کے غرور کی ایک مثال بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ڈپٹی کمشنر میکانگی ایبٹ آباد سے ایک طویل سفر پر حکومت کی اجازت سے گئے اور آلائی پہنچے تو آگے سے محمد روشن خان رئیس آف آلائی گھوڑے پر سوار آ رہا تھا اور ادھر سے ڈپٹی کمشنر صاحب گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ نزدیک ہو کر میکانگی ڈپٹی کمشنر ادب کی خاطر گھوڑے سے اترے اور محمد روشن خان کی طرف آگے آ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بھی گھوڑے سے اتر کر ملے گا اور دونوں اکٹھے چل کر ڈیرہ پر پہنچیں گے مگر روشن خان نے کچھ پرواہ نہ کی بلکہ گھوڑے پر بیٹھے ہوئے اور گھوڑا چلتے ہوئے ایک ہاتھ آگے کیا اور میکانگی نے بھی ہاتھ بڑھایا اور ملایا (اور یہ عزت کا برتاؤ ہوا)۔ اس قصہ سے یہ غرض ہے کہ اس قدر غرور والے اگر خود ہی اپنی طاقت سے مقابلہ کر سکتے تو وہ بارگاہ انگریزی میں آ کر کیوں سرنگوں ہوتے۔ افسوس کہ مسٹر گریفتھ گورنر پشاور کا دماغ بھی اس قابل ثابت نہ ہوا کہ اس کو یہ محسوس ہوتا کہ کونسی طاقت پیدا ہو گئی ہے جو ان مغرور خوانین کو عاجز کر کے گورنمنٹ کے دروازے پر لے آئی ہے۔ غلام حیدر خان آف ہلان کے پاس بے شمار مفرور ایسے موجود تھے جو انگریزوں کو یا سرکاری ملازمین کو قتل کر کے ہلان میں پناہ گزین تھے۔ وہ لوگ بار بار بارگاہِ انگریزی کی تمام خانقاہوں پر (یعنی پولیٹیکل ایجنٹ، ڈپٹی کمشنر، گورنر، وزراء) کا طواف کر رہے تھے اور بد دعا سے **نظیر احمد** کو یاد کرتے تھے اور تحفہ تحائف بھی پیش کرتے تھے۔ نواب صاحب نے اتنی بے تابی اختیار کی کہ کبھی اس کے وزراء صاحبان اور کبھی ولی عہد صاحب گورنر، ڈپٹی کمشنر اور وزرائے حکومت کے پاس جاتے اور اپنی بے گناہی کا ثبوت دیتے اور کبھی میرے پاس آ کر مریدانہ اطاعت کو پختہ کرتے۔ اس سلسلہ میں کم از کم ہمارے پاس تخمیناً پچاس مراسلے موجود ہیں۔

القصّہ تمام خوانین پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس جرگہ کے طور پر جمع ہوتے تھے۔ پولیٹیکل ایجنٹ مراسلے لے کر ڈپٹی کمشنر اور گورنر کے پاس جا کر فریاد کرتے تھے۔ ان کی فریاد تو بجا تھی کیونکہ خوانین کی زندگی کا انحصار ہی ظلم اور غربا کشی پر تھا۔ اب وہ مغرور خوانین جو انگریزی حکومت کے آدمی کو کتے سے بھی کم خیال کرتے تھے وہ نہایت عجز و احتیاج سے حکومت کے اعلیٰ حکام کے آگے سرنگوں تھے اور روتے تھے۔

والئی سوات نے اوّل تو اپنی شان و رسوخ سے مقابلہ کیا۔ جب رسوخ کام نہ آیا اور اپنی وقعت عوام میں کچھ نہ دیکھی تو لشکری مقابلہ کیا۔ جب اپنے تجربہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ اقوام فرداً فرداً اور مجموعی طور پر بیعتِ سلطانی کر چکے ہیں اور ہر ایک انسان کسی ظالم سے فکر مند نہیں بلکہ ظالموں کو حقیر سمجھتا ہے تو لشکر اقوام پر والئی سوات کا لشکر ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے لشکر کشی اور لڑائی میں کوئی امید نہ رہی تو نہایت پُرزور فریاد حکومت انگریزی کے سامنے پیش کی۔ چونکہ حکومت کا مشورہ ہمارے ساتھ شامل تھا اور حکومت انگریزی کو اپنا ذاتی فائدہ بھی ہماری کاروائی میں تھا۔ حکومت نے چنداں پرواہ نہ کی بلکہ غیر جانبداری کا اظہار کیا اور خوانین کو آزادی دی کہ پیر صاحب یا ان کے ملازموں کو تم

قتل کرو گے تو ہم تمہارے ساتھ کوئی مواخذہ نہ کریں گے۔ اب خوانین اپنے حال پر غور کر کے تنگ آ گئے کہ خوانین کی لڑائی تو اقوام میں جنبہ داری کی صورت میں ہوا کرتی تھی۔ کچھ اقوام ایک خان صاحب کے ڈلا میں اور کچھ اقوام دوسرے خان صاحب کے ڈلا میں رسوخ کے ماتحت لڑائی کیا کرتی تھیں۔ اور جب اقوام یکدم ہمارے ساتھ بیعتِ سلطانی کر کے خوانین سے علیحدہ ہو گئیں تو خوانین بے دست و پارہ گئے۔ خوانین کے پاس اپنے ذاتی ملازم لوگ موجود تھے جو سینکڑوں کے حساب سے تھے۔ اگر خوانین سب اپنے ملازمین کو جمع کریں تو بھی مقابلہ نہیں ہو سکتا تھا اور خوانین کا متفق ہونا ناممکن تھا۔ اس میں قدیمی مخالفت قائم تھی۔ اس لئے والئی سوات بھی ہر پہلو کو خوب سوچ سمجھ چکے تھے کہ سوائے ملازمینِ ریاست کے اقوام ملک بغاوت پر آمادہ ہیں۔ اس لئے جنگ کا سلسلہ ان کو مشکل نظر آیا۔ اس کے بعد خوانین نے اور ان کے احباب نے حکومتِ انگریزی کو شہادت دے دی کہ پیر صاحب کو بندوق، توپ، مشین گن وغیرہ سب چیزیں زیادہ مقدار میں مل چکی ہیں اور سب سامان انکو بالشویک حکومت وکابل حکومت سے پہنچتا ہے۔ چنانچہ اس پر حکومت کے بعض آفیسروں نے توجہ دی اور تحقیق بھی کی اور سید عبدالجبار شاہ صاحب سابق بادشاہ سوات اور خان صاحب آف سیری کو حکم دیا کہ پیر صاحب کے بندوق، توپ اور کارتوس کے آمد کے راستے بند کر دیں اور معلوم کریں کہ کس حکومت سے ہتھیار آتے ہیں اور بالشویک وغیرہ کی گپ کہاں تک درست ہے۔ محمد عمر صاحب انسپکٹر پولیس اس ڈیوٹی پر لگائے گئے اور یہی تحقیقات مختلف آفیسروں کے ذریعے ہوئی کہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔

## انتظامِ حکومت

ہم نے ملک میں بہت اچھا طریقہ قائم کیا تھا۔ ہر قوم جمع ہو کر بیعتِ سلطانی میں داخل ہو کر اپنی بندوقیں حاضر کرتے تھے اور قلعہ شنگڑیاں میں ہمارے حوالے کرتی۔ تاہم ہم نے اپنی خاص زرخرید بندوقیں بہت سی مہیا کر رکھی تھیں۔ اس بندوق کی کئی قسمیں ہیں یک نالی یعنی ایک کارتوس فائر کرنے والی، پنج ڈزی یعنی پانچ فائر کرنے والی اور دس ڈزی یعنی دس فائر کرنے والی۔ اب یک نالی بندوقیں باہر سے تاجر لا کر دیتے تھے مگر ہم نے اپنا ملازم ایک آفسر عبداللہ نامی مقرر کر رکھا تھا۔ یہ کوہستان کا باشندہ تھا اور موضع کھبل میں مقیم تھا۔ وہاں سے بندوقیں بنوا کر خچروں پر لاد کر علاقہ غیر میں پہنچاتا تھا اور ہمیں پہنچ جاتی تھیں۔ پنج ڈزی اور دس ڈزی بندوقیں مہیا کرنے کے لئے ہم نے سیٹھ امیر محمد پراچہ کوہاٹ والا مقرر کیا تھا تا کہ وہ درّہ سے تیار کروا کر ہمارے پاس پہنچاتا رہے۔ اس کے پاس ہماری کافی رقم موجود رہتی۔ مگر پانچ فائر کرنے والی اور دس فائر کرنے والی نہایت اعلیٰ بندوقوں کی سپلائی کے لئے ہمارے مستقل ایجنٹ بادشاہ گل آفریدی اور دوسرا ایجنٹ محراب الدین آفریدی تھا۔ نہایت عمدہ بندوقیں مہیا کرتے تھے۔ مشین گن، لائٹ ریوالور اور کارتوس ہر قسم کی اشیاء عام مختلف لوگ ہمارے پاس لا کر فروخت کر دیتے۔ الغرض چھ ہزار سے زائد بندوقیں ہماری

اپنی زرخرید باہر سے آ چکی تھیں جو عام لشکر میں موجود تھیں۔ اس کے علاوہ ہر قسم کا سامان جنگ فراہم ہو چکا تھا۔ جو لوگ ہمارا اسلحہ پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے انہوں نے چار سو بندوقیں پکڑ لیں مگر جب یہ معاملہ مسٹر پارسن ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے نہایت فراخدلی سے ہمارے ملازموں سے صرف یہ سوال کیا کہ یہ بندوقیں ہمارے خلاف تو استعمال نہ ہوں گی۔ ہمارے آدمی نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں یہ پیر صاحب نے اپنی ذاتی کاروائی کے لئے حاصل کی ہیں۔ اس پر صاحب موصوف نے واگذار کر دیں۔ مسٹر پارسن نہایت دور اندیش اور عالی دماغ انسان تھا۔ اس لئے معمولی چیز کی گرفت نہیں کرتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ہماری مزید بندوقیں پکڑی گئیں۔ ان کے تحقیقات کے لئے خان محمد خان آف کلابٹ ممبر کونسل اسمبلی سرحد مقرر کئے گئے۔ انہوں نے بھی ڈپٹی کمشنر کو رپورٹ پیش کی اور ہم کو بھی انگریزی میں ایک مضمون لکھ کر روانہ کیا کہ یہ بندوقیں آزاد کر دیں لیکن ان میں سے صرف تیس بندوقیں مال خانہ سرکار میں کسی مصلحت کی بنا پر داخل ہو گئیں۔

ان ایّام میں نہایت تاکیدی احکام گورنمنٹ کی طرف سے ہم کو آتے رہے کہ ہمارے ساتھ گفتگو کریں اور جب تک ہم سے آپ کی ملاقات نہ ہو علاقہ غیر میں ہرگز نہ جائیں۔ چنانچہ بمقام دریا گلی، وایا نتھیا گلی مسٹر سنکلیئر ڈپٹی کمشنر ہزارہ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا اور حکم سنایا کہ آپ کے متعلق مسل مرتب ہو چکی ہے اور طویل معاملات ہیں اور بہت آفیسروں سے تحریری کاغذات جمع ہوئے ہیں اور میں نے وہ مسل خود مرتب کی ہے اور گورنر مسٹر گریفتھ کی خدمت میں روانہ کی گئی ہے۔ چیف سیکریٹری اور گورنر صاحب اس پر جو حکم صادر کریں گے اس پر ہم کو کام کرنا ہے اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیے۔ مگر تھوڑے ایّام انتظار کرنے کے بعد ہم نے ڈپٹی کمشنر کو چٹھی لکھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ امید ہے کہ فیصلہ جلدی ہو جائے گا اور آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد ڈپٹی کمشنر نے بذریعہ ڈاک ہم کو مراسلہ روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے آپ کے ساتھ کوئی مخالفت یا رکاوٹ نہیں ہے۔ گویا ہمیں اپنی کاروائی جاری رکھنے کی اجازت عام دی گئی۔

اب اس میں ہم کو بے شمار کام درپیش تھے جن میں زیادہ ضروری حسب ذیل تھے۔

1۔ اقوام نندہاڑ کے جرگے۔ ان کی بیعتِ سلطانی اور معاہدے

2۔ آلائی کوہستان کے جرگے۔ ان کی بیعتِ سلطانی اور معاہدے

3۔ تنظیم اقوام

4۔ ترتیب لشکر و تقرری قلعہ جات

5۔ تنخواہ دار ملازم، مزید بھرتی اور ملک میں ان کو اپنے اپنے کام پر تعینات کرنا

6۔ امن عامہ کا نظام قائم کرنا

7۔ اسلحہ کی کمی کو پورا کرنا

8۔ بڑے قلعہ کی تعمیر جس میں سامان حرب جمع ہو جو بوقت ضرورت لشکری لوگوں میں تقسیم کیا جا سکے

اس لئے یہ مصلحت قرار پائی کہ ایبٹ آباد میں اصلی قیام رکھا جائے اور ضروری کام انجام دیئے جائیں۔ حسب ضرورت ایبٹ آباد سے آگے ملک میں جا کر دورہ کر کے واپس آ جانا چاہیے۔ چنانچہ ایبٹ آباد گراس فارم (Grass Farm) سے اوپر کیال کی طرف ایک بڑا بنگلہ ایشر سنگھ کا کرایہ پر لیا گیا۔ اس کے ساتھ بہت سا وسیع حصہ باہر خالی تھا۔ چنانچہ جہاں اقوام کے جلسے بھی ہو سکتے تھے اور مہمان خانے، دفتر اور ملازمین وغیرہ کے لئے کافی جگہ موجود تھی۔ چنانچہ اس مقام پر ضروریات مہیا کی گئیں اور کاروائی کا سلسلہ جاری ہوا۔ اکثر خوانین اور اقوام کے جرگے یہاں آتے تھے اور نہایت خوشی سے بیعتِ سلطانی کرتے تھے اور اپنے حقوق وملکی وقومی کی اسناد اور دستاویزات حاصل کرتے تھے اور معاہدہ کرتے اور حلفِ وفاداری اٹھاتے تھے۔ دستور یہ ہوا کہ مولوی صفی اللہ صاحب مع دیگر معزز منتظمین وہاں علاقہ ٹکری میں مقیم رہیں اور لوگوں کے جرگے پہلے ان سے ملیں اور بعد میں ہمارے پاس آئیں۔ ان کی دستی سفارش بھی ہمارے پاس آئے اور مخفی اطلاعات بھی آئیں تا کہ ہم اپنی درست رائے کے ساتھ جرگہ سے برتاؤ کریں اور مکمل اطمینان کے بعد جرگہ ہمارے پاس آئے۔ اس کام کے علاوہ فوجی تنظیم بھی وہاں ہی ہو اور ضرورتِ فوج وہاں سے بتلانے پر روانہ کی جائے۔

تمام ملکی حالات کے متعلق روزانہ رپورٹ ہمارے پاس آتی تھی اور اس طرح یہ کاروائی بڑھتی گئی۔ ہزاروں آدمی آتے رہے جن کے لئے اخراجات لنگر کی مد سے دیئے جاتے تھے۔ اس کاروائی کے دوران تمام اقوام ملک نندہاڑ آ کر مطیع ہوئے اور حسبِ ضابطہ بیعتِ سلطانی میں داخل ہو گئے۔ ان کے علاوہ ملک آلائی کی اقوام اور خوانین بھی آ کر شامل ہوئے اور معاہدے کئے اور حلف اٹھائے۔

اس ملک نندہاڑ سے قوم دھلال، جیبال، ملکال، پنج میرال، پنج غول، اشلوڑ، نوروڑ سیدان، تورخانان، دیشان، سروخیل وغیرہ وغیرہ سب داخل ہو گئے۔ اس کے علاوہ ملک آلائی کے اقوام اور خوانین بھی آ کر شامل ہوئے اور معاہدے کئے اور حلف اٹھائے۔ قلندر خان، شہاون خان، برکتی خان، مولوی عتیق اللہ اور شیر محمدؒ خان یہ قابل ذکر ہیں۔ آلائی کی اقوام اور افراد اِن اشخاص کے ماتحت وزیرِ اثر ہیں۔ اب آلائی کا سب سے بڑا خان محمدؒ روشن خان ہماری کاروائی

سے مخالف تھا۔اس کے پاس تقریباً کئی سو ملازمان باتنخواہ تھے اس کے علاوہ اقوام کا لشکر بھی اس کے ساتھ تھا۔اس لئے اس کا اقتدار سب سے زیادہ تھا۔مگر جبکہ لشکر اقوام اور دوسرے خوانین اور علماءِ ملک اور افراد قوم ہمارے ساتھ مل گئے تو محمدؐ روشن خان کی حیثیت کم ہوگئی۔تو اس نے اپنے خاص آدمیوں کے ذریعہ اپنی مہر لگا کر ہمارے ساتھ متفق ہوا۔مگر یہ کاروائی صرف اس لئے کی کہ اس کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اب ملکی بڑی طاقت پیر صاحب سے مل گئی ہے۔اس لئے اس نے اپنی حفاظت اور خطرات کو روکنے کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی۔ ورنہ وہ ہر وقت پوشیدہ طور پر مخالفانہ کوشش میں مصروف تھا۔ بلکہ حکومت انگریزی کے پاس عرضی روانہ کرتا تھا۔اس کے علاوہ برادر خان ایک بڑا خان تھا جو ملک نند ہاڑ میں بہت ذی اقتدار شخص تھا۔ یہ بھی ہماری کاروائی کے سخت مخالف تھا۔اس کی لڑائی قوم سرخیلی سے شروع ہوگئی اور ملک دیشان والوں سے بھی لڑائی شروع ہوگئی۔حالانکہ سر خیلی اور دیشی ہماری رعیّت ہو چکے تھے۔اس لئے ہماری طرف سے سرخیلیو ں کو امداد دی گئی اور بہت قتل و مقاتلہ کے بعد برادر خان کو شکست ہوئی اور کئی دفعہ نقصانات عظیم ہونے کے بعد خاموش و مایوس بیٹھ گیا۔تیسرا خان نند ہاڑ میں غلام حیدر خان آف ہلان ہے۔اس کے لشکر میں بھی کئی سو آدمی تنخواہ دار ملازم تھے۔مگر اقوام نند ہاڑ کا بڑا حصہ اسکے ساتھ ہمیشہ رفیق جنگ رہتا تھا اس لئے اس مجموعیت کی وجہ سے یہ بڑی حیثیت کا مالک تھا۔جبکہ اقوام نند ہاڑ ہمارے ساتھ شامل ہوگئیں تو یہ تنہا رہ گیا۔اور اس کے ملازمین مقابلہ ملک والوں کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے۔اس لئے اسکو بھی جرأت ہمارے مقابلہ کی نہ رہی۔اشلوڑ قوم میں خان غلام حیدر خان ثانی و جمال خان ذی اقتدار تھے۔ان کو خانِ قلاہی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی اقوام کی علیحدگی سے کمزور اور حیران رہ گئے اور جمال خان نے انگریزی حکومت کے حکام سے ملنا اور ان کی رضامندی سے گفتگو کرنی شروع کی تھی۔

زمیندار اور رؤسائے پنجاب کی طرح حکام سے ملنا اور حاجت برآری کی صورت تلاش کرنا اس نے اختیار کیا اور ظاہری گفتگو اور حقیقت عملی میں تفاوت تھی۔اب تک جمال خان زندہ ہے اور اسی شغل میں ہے۔اس کے علاوہ اقوام کا برگزیدہ شخص جہانگیر خان آف بٹگرام ہے۔ یہ ابتداء سے سلسلۂ مریدی میں داخل ہے۔ یہ راست گو، عبادت گزار، خدا ترس اور غریب پرور شخص ہے اور با اثر شخص ہے۔ یہ ہمارا حقیقی ہمدرد تھا۔ یہ جہانگیر خان راست گوئی، غیرتمندی اور دیانتداری میں مشہور ہے اس کو والئی سوات کئی سو روپیہ سالانہ مواجب بھی دیتا ہے تاکہ کبھی کارآمد ہوگا اور اسی طرح انگریزی حکومت سے بھی اس کو مواجب ملتا ہے۔ ہمارے ساتھ صرف اس بنا پر حقیقی طور پر شامل تھا کہ یہ کام مخلوق خدا کی بہتری کا ہے اور یہ خدمت خدا ہے۔ اور اس کا بھائی واصل خان ہمارا اعلیٰ معتمد تھا۔ یہ واصل خان نہایت مدبر شخص ہے اور سب سے اوّل ہمارے کام میں یہ شخص داخل ہوا۔ یہ شخص مستقل مزاج ہے۔ دیگر خانان ٹکری ہمارے کام کے رکن تھے۔

جو چیز ہمارے کام کے لئے زیادہ مفید اور باعث کامیابی ہوئی وہ خدا کی طرف سے یہ تھی کہ بڑے خوانین کی ایک دوسرے سے باہمی رقابت اور سخت دشمنی تھی اور باہم دگر عموماً ہمیشہ ہی چپقلش جاری رہتی تھی۔ اب جب وہاں اقوام میں ہمارا سلسلہ قائم ہوا تو خوانین کو یقین ہو گیا کہ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہذا ان میں سے ہر ایک تمنا رکھتا تھا کہ وہ سب سے پہلے پیر صاحب سے متفق ہو جائے تا کہ ان کی امداد حاصل ہو اور جو مخالفت پر قائم رہے وہ اقتدار سے محروم ہو گئے۔ ملک نند ہاڑ میں نہایت دلیر جنگجو قوم تورخانان ہے۔ یہ ہمارے اصلی کارکن تھے۔ ان سے سب اقوام لرزاں رہتی تھی۔ ان کا سردار موسیٰ خان تھا۔ یہ شخص ہماری کاروائی کو اسلامی خدمت سمجھ کر جان قربان کرتا تھا۔ اس کے بھائی پایاب خان، محمد یوسف خان دفتری کاروائی کے انتظامی آفسر تھے نیز اسی علاقہ نند ہاڑ میں ایک عالم فاضل مولانا محمد احسن صاحب سکونت پذیر تھے۔ یہ موضع شملائی میں رہتے تھے۔ ملک کے تمام علماء ان کے زیر اثر تھے۔ یہ ہمارے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ ان کا فرزندِ اکبر مولوی صفی اللہ صاحب ہمارا اصلی کارکن اور وزیر اعظم تھا جو ملک کے تمام معاملات اور اشخاص سے باخبر اور رفتار ملک کی نبض سے پورا پورا واقف تھا۔ اس شخص کی قابلیت اور ذہنیت بہت اعلیٰ تھی۔ اس لئے اسے اپنا وزیر اعظم بنایا گیا جو واقعی اس کام کے قابل تھا اور مذہبی طور پر مولوی صفی اللہ کے والد صاحب کے لوگ تابعدار تھے اور قبائل وطن ان کی عزت کرتے تھے اور تابعداری کرتے تھے اور یہ شخص ان اقوام متذکرہ بالا سے علیحدہ تھا۔ بعض اشخاص کو تعجب تھا کہ ایسے شخص کو کیوں وزیر اعظم اور معتمد بنایا گیا۔ وزیر اور معتمد تو وہ شخص ہونا چاہیے جو کسی قوم کا سردار یا اعلیٰ وقار کا مالک ہو اور سردارانِ قبائل میں ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔ چنانچہ مجھ سے بہت سے ملکی لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا اور تعجب کیا اور مخفی طور پر خطوط بھی موصول ہوئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جب کسی انسان کو عظیم کام سرانجام دینا ہوتا ہے تو اس کام کی انجام دہی کے لئے اس کا ذہن خود ایسے شخص کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جو عملی اور ذہنی طور پر موزوں ہوتا ہے۔ اگر وہ اس کی موزونیت کی بجائے کسی اور بات سے متاثر ہو جاتا ہے تو وہ امور کی انجام دہی کے اصول سے لاعلم ہے اور کامیاب نہیں ہوگا۔ بہر حال اس ملک کے امورات تنظیمی کی عملی کاروائی نے مولوی صفی اللہ کی حیثیت کو ہر شخص نے تسلیم کر لیا تھا نیز ہمارے اس انتخاب میں یہ راز بھی مضمر تھا کہ اگر کسی قوم کے سردار قبیلہ کو یہ منصب دیا جاتا تو وہ ایک واحد قبیلہ کا ہمدرد ضرور ہوتا اور دوسرے قبائل ہرگز اس پر غیر جانب داری کا اعتماد نہ رکھتے۔ بلکہ سلسلہ بدگمانی پیدا ہو کر مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ اس کے بعد ہر قبیلہ مجموعی طور پر اور اس کے افراد شخصی طور پر جان و دل و مال سے اسی دھن اور ارادے میں مبتلا تھے کہ یہ کام انجام پذیر ہو اور ملک میں بھی واحد اسلامی حکومت قائم ہو۔

اس موقع پر قوم سیداں سے حیات شاہ صاحب علے الخصوص اپنی ان صفات میں لاثانی شخص تھا اور

سید عبد الرحمٰن شاہ و مہتاب شاہ وغیرہ وغیرہ اسی اثر اور انتہائی کوشش میں بے تاب تھے۔ حیات شاہ صاحب کی اخلاص مندی و دانشمندی اور خوبی کام سے قرون اولیٰ کے لوگ یاد آتے تھے۔ اس شخص کی تعریف و توصیف کے لئے ایک رسالہ تحریر ہوسکتا ہے۔ جس میں اس شخص کے ایمان اور استقلال کے حالات لکھے جائیں۔

القصہ علمائے وطن کا ہجوم ہمارے پاس آتا تھا اور نہایت خوش تھے۔ اس میں شک نہیں کہ قبائل کے جرگہ کا اثر مکمل قوم پر ہوتا ہے مگر علمائے دین سے جرگہ کی رائے اور عوام کی رائے خاص طور پر اثر پذیر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ پیرانِ طریقت جو زمانہ ماضی سے لوگوں میں صاحب اقتدار تھے یہ لوگ بھی ہمارے پاس آتے تھے اور بیعتِ سلطانی میں علمائے مذہب کی طرح شامل ہوجاتے تھے۔ ہم نے رسولیؒ طریقہ پر ایک مدّ تالیف القلوب کے لئے جاری کر رکھی تھی۔ اس سے تمام علمائے دین کی تنخواہیں اور پیرانِ طریقت کی جاگیریں مقرر کر دی تھیں اور ہر شخص کو پیشگی بھی ادا کر دی جاتی تھی۔ اس لئے مذہبی لوگ غیر معمولی طور پر خوش تھے بلکہ اس تمام کاروائی حکومت کو ''نصرت الاسلام'' پکارتے تھے بلکہ ہمارے کارندوں نے بعض ڈائریوں اور رجسٹریوں پر بھی یہی الفاظ لکھنے شروع کر دیئے تھے۔ ان الفاظ سے ایک بڑی امداد ملتی تھی۔ جو کام ہم ہزار ہا روپے سے انجام نہیں دے سکتے تھے وہ ان الفاظ کے اثر سے باآسانی پورا ہوتا تھا۔ اس کا اثر لوگوں پر ہوتا تھا چنانچہ کسی سرکاری رپورٹر نے ایک کتاب جس پر یہ الفاظ چھپے ہوئے تھے چُرا کر پولیٹیکل ایجنٹ اور ڈپٹی کمشنر مسٹر پارسن کو دکھلائی اور اس پر بہت لمبا چوڑا مخالفانہ حاشیہ چڑھایا۔ مگر پارسن نے ہم سے صرف اس قدر دریافت کیا کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ ہم نے ان کو صاف لکھ دیا کہ روپیہ کی قلت میں یہ الفاظ ہمارے کام میں امداد دیتے ہیں اس لئے استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ پارسن نے ہنس کر کہا بہت اچھا اور شکایت فضول سمجھی۔ دراصل ہم تو رات دن اپنے کام میں مصروف تھے اور ہمارے کارندے بھی اسی لگن کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول تھے مگر مخالفین اور منافقین فارغ تھے اور آئے دن نت نئی شرارتیں کرتے رہتے۔ طرح طرح کے مسودے تیار کر کے عرضیاں اور رپورٹیں کرنے میں مصروف تھے۔ ان کے مقابلہ میں نہ تو ہم فارغ تھے اور نہ ہی ان کی شرارتوں کو زیادہ اہمیت دیتے تھے بلکہ حکامِ بالا تک ہمارا کارندہ جا کر ملنے کے لئے فارغ نہ تھا اور ہم کسی کو روانہ بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لئے کہ کوئی ایسا موجود بھی نہ تھا۔ اصلی سمجھدار لوگ اصل کام میں مصروف تھے۔ بعض کام تو ہم زیادہ ضروری خیال کرتے تھے۔ ہماری نگاہ میں زیادہ اہم کام حسب ذیل تھے۔

1۔ ہر جگہ اور ہر قوم میں اپنے دفاتر قائم کرنا اور انتظامی امور کا نظام قائم کرنا

2۔ ہر قوم میں مخالفین کی کاروائی کی تردید کرنا یعنی انسداد بدگمانی اور ترغیب وفاداری

3۔ لشکری لوگوں کی تقسیم۔ ہر قسم کے اسلحہ کی فراہمی وغیرہ

4۔ بیعتِ سلطانی اور اقوام سے معاہدے

5۔ مخالفین کی کاروائی اور ملکی فضا کا علم حاصل کرنا اور اس کے مطابق کارندوں کی تربیت واصلاح کرنا

6۔ مساجد کو مرکزی حیثیت دینا اور ان میں اسلامی نظامِ تعلیم قائم کرنا

7۔ بندوبست راشن وغیرہ

8۔ جنگلات کی دیکھ بھال اور دیگر وسائل آمدن مہیا کرنا اور ملک میں تجارت کا سلسلہ جاری کرنا

ان امور کی انجام دہی کے لئے ہم زیادہ وقت لگاتے تھے۔ اکثر مجھے خود بھی سفر کرنا پڑتا تھا۔ بالخصوص جب اقوام کے جرگے زیادہ تعداد میں آنے والے ہوتے تو نواب صاحب شیر گڑھ کے بنگلہ میں قیام کر کے ان لوگوں سے کاروائی کی جاتی تھی یا ''اگرور'' میں جا کر یہ کام کرنا پڑتا تھا۔ بجائے اس کے کہ کئی سو آدمی بلائے جائیں، خود نزدیک جا کر قیام رکھنا بہتر تھا۔ ایک شخص دیانتدار اور ہوشیار اس کام پر متعین تھا کہ تمام ملک کے اقوام میں گشت لگاتا رہے اور تمام موافق ومخالف حالات اور ان کی حرکات وسکنات معلوم کر کے ہفتہ وار مفصل رپورٹ ہم کو بھیجتا رہے۔ اس کے ماتحت حسبِ ضرورت کئی آدمی امدادی مقرر تھے۔ یہ مخفی صیغہ تھا اور اس کی اشد ضرورت تھی اور یہ **علیحدہ** محکمہ بن گیا تھا۔

ہر قوم میں ایک مجلس کارکنندگان مقرر کی گئی جو وہاں کے عوام الناس کو اپنی کاروائی میں شامل کر کے اصول سمجھائے اور اس مجلس کی رپورٹ پر حسب ضرورت بندوق وکارتوس وغیرہ ان کو دیئے جاتے تھے۔ ان لوگوں کا فرض تھا کہ لشکر کی تنظیم کر کے ان کو فوجی طریقہ پر قائم رکھیں۔ ہر قوم میں کئی صوبیدار تھے۔ صوبیدار کا عہدہ اس طرح دیا جاتا تھا کہ وہ ایک سو آدمی اپنے ہمراہ اعتباری سپاہی لے آئے جن کے پاس اپنی بندوق ہو۔ اگر اپنی بندوق ہے تو اس کی بندوق ہماری ملکیت ہوگی اور اس کی قیمت اسے ملے گی اور اگر بندوق نہیں ہے تو ہم اپنے مال خانے سے دیں گے۔ سپاہیوں کی تنخواہ پندرہ روپے ماہوار اور راشن مفت دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ ہر وقت حاضر خدمت رہتے تھے۔ ان کے متعلق ان کا صوبیدار ضامن ہوتا تھا۔ لشکر سردار کا عہدہ **علیحدہ** تھا۔ ان کا فرض تھا کہ پانچ صد یا ہزار آدمی ملازمت میں داخل کر کے عہد اور حلف اٹھائیں۔ ان کو پانچ فائر کرنے والی بندوق بطور سرداری ملتی تھی اور تنخواہ بصورت مواجب سالانہ دی جاتی تھی۔ ان کا لشکر سال میں تین ماہ کام کرنے پر مامور تھا اس عرصہ میں ان کو راشن وکارتوس وغیرہ مہیا کئے جاتے تھے۔ بصورت ٹیری ٹوریل فورس (Territorial Force) یہ لشکر اقوام چالیس ہزار سے زیادہ ہو چکا تھا۔ تنخواہ دار حاضر باش ملازم پندرہ سو تک ہو چکے تھے۔ ان کو پیٹی، وردی، **علیحدہ** راشن مہیا کیا جاتا تھا۔

تمام ملک میں ایک سو ساٹھ میل تک کوئی بازار نہ تھا اور بدامنی کی وجہ سے کوئی دکاندار وہاں رہ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے راولپنڈی سے سردار رام سنگھ ریشم والا، جو پرانا قلعہ راولپنڈی میں بڑا دکاندار تھا اس کو ہم نے اپنا وزیر تجارت مقرر کیا اور یہ شخص ہمارے ساتھ رہتا تھا۔ نہایت دلیر تھا اور بہت دشوار کام بھی نہایت شوق اور خوش اسلوبی سے کرتا تھا۔ تعلیم یافتہ اور مضبوط جسم کا آدمی تھی۔ اپنے فرائض منصبی (امور تجارت) بڑی لگن سے کرتا۔ اس کے علاوہ جرگہ اور اقوام اور ہر شخص کی خدمت بغیر ہماری کسی ہدایت کے انجام دیتا۔ اس نے سخت مشکل کام بڑی دلچسپی سے اور اعلیٰ طریقے سے کئے۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت کوئی مسلمان یا سکھ اس قدر دلیر اور قابل کارکن نہیں مل سکتا تھا۔ اس کا سیکریٹری سوڈھی جیت سنگھ دوسرا سکھ تھا۔ یہ بھی ہر معاملہ میں اس کا سیکنڈ ہینڈ تھا۔ ان کا فرض امورات تجارت کے ٹھیکے دینا، دکاندار بنانا اور تاجروں سے گفتگو کرنا اور ضروریات کی رپورٹ مرتب کرنا تھا۔ رام سنگھ کو ہم نے سرکاری اشٹام پر تحریر کر کے اختیارات دیئے تھے اور ان سے اقرار لکھوا کر دفتر میں محفوظ رکھے تھے۔

ایک ہندو سیٹھ گھنی شام داس اس سے پہلے سے ہمارے کام میں شریکِ خدمت تھا۔ یہ ہمارے ملازمین فوج کو راشن مہیا کرتا تھا۔ جن میں تقریباً سوآدمی علاقہ ٹکری میں متعین تھے۔ اس طرح سب اطراف ملک میں انتظام ہر پہلو سے مکمل تھا مگر اس تمام کاروائی کے دوران ہم کو سخت ضروری امر یہ معلوم ہوا کہ اپنی کاروائی اس قدر پوشیدہ رکھی جائے کہ ایک قوم کو دوسری قوم کے اندرونی انتظام وسامان وغیرہ کا علم نہ ہو اور مجموعی طور پر سب کام مخفی طور پر تکمیل کو پہنچنا چاہیے۔ اگرچہ تمام قومیں متفق اور خادم ومعاون تھیں مگر مزید احتیاط کے لئے ہم نے ایک طریقہ اخفاء (Secret Service) ایسا قائم کیا تھا کہ ہرگز کسی قوم کو بلکہ کسی فرد کو ہماری طاقت کا موازنہ نہ ہو سکے۔ ہر شخص، ہر قوم اپنی مفوضہ کاروائی پر ہی اپنی واقفیت منحصر رکھے تاکہ مخالفین ملک اور غیر ملک کو ہمارے مقابلے کی ہمت نہ ہو۔ مقابلہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ بالمقابل طاقت کا موازنہ اور اسباب کی کمی وزیادتی سے پوری واقفیت ہو۔ اس لئے اخفاء راز انتظامی پر توجہ دی گئی۔ اس قدر کوشش کی گئی کہ ایک قوم کے اندر کا انتظام دوسری قوم کو معلوم نہ ہو سکے اور اپنی قوم کے اندر کا انتظام سوائے ذمہ دار سردار کے دوسرے کو معلوم نہ ہو۔ بلکہ حدود زیرِ اقتدار میں اغیار کا داخلہ بند کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ برادر خان کو گورنمنٹ نے حالات معلوم کرنے کے لئے بلایا تو اس نے جواب دیا کہ پیر صاحب کے کارندوں نے ہمارے راستے بند کر رکھے ہیں اس لئے حاضری سے مجبور ہوں۔

سردار رام سنگھ نے علاوہ تجارتی امور کے جنگی امور میں بھی نہایت دلیری سے کام کیے اور بہت مشکل کام انجام دیئے جن کا ذکر غیر مناسب ہے۔

نیز سردار رام سنگھ کی کارروائی بحیثیت وزیر تجارت اصول مقررہ کے ماتحت ہوسکتی تھی۔ وہ اصول نہایت غیر معمولی تھے جن سے تاجر کو بھی فائدہ ہوا اور حکومت کو بھی کافی مدد مل سکے اس طرح اصول تجارت یعنی ضابطہ قائم ہوا۔ ہر شخص تجارت کرنے والا اپنی آمدنی یعنی نفع سے تیسرا حصہ حکومت کو بلا عذر ادا کرے گا اور تجارت کے اخراجات اپنی طرف سے کرے گا اور تاجر کو ہماری طرف سے مندرجہ ذیل امداد تھی:-

1۔ تاجر اپنا مال ''اگرور'' میں معائنہ کرائے اور مال کی رسید حاصل کرے۔ اس کے ملازم بذریعہ خچر وغیرہ ہر ممکن صورت میں مال تجارت بازار میں پہنچا دیں مگر اس کا مال اگرور سے لے کر بازار تک بصورت بیمہ ہوگا اور کوئی شخص مال کا نقصان نہیں کر سکے گا۔

2۔ جب تک وہ کام کرتا رہے گا تمام حدودِ ریاست میں ریاست ذمہ دار ہوگی۔ اس کا مال اور اس کی جان بیمہ متصور ہوگی۔

3۔ ہر تاجر یہ کام میعاد مقررہ تک کرنے کا مجاز ہوگا اور یہ میعاد گزرنے پر نئی میعاد حسبِ مناسب دی جائے گی۔

4۔ ہر تاجر علیٰحدہ چیز فروخت کر سکے گا۔ تمام سامان ایک شخص کو فروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

5۔ ہر تاجر کے لئے ہر چیز کی فروخت کی حدود مقرر کر دی گئیں مثلاً نمک کا ایک تاجر مقرر ہوا تو ایک سو ساٹھ میل کے اندر دوسرا شخص نمک فروخت کرنے کا مجاز نہ ہوگا صرف ایک ہی شخص ہوگا۔

ان شرائط کے ماتحت ہر تجارت پیشہ اس کام کو کیمیا خیال کرتا تھا۔ اس میں بلاشبہ عظیم الشان فائدہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور سیاسی شرائط کی پابندی لگائی گئی تھی۔ اب ان شرائط پر ہر کام کے لئے سینکڑوں اور ہزاروں تاجر پیش ہوئے۔ اب سردار رام سنگھ ہی ٹھیکہ منظور کرتا تھا۔ عموماً حکومت کو پیشگی نذرانے بطور امداد دینے کے لئے رعایت ملتی تھی اور اس تجارتی صیغہ کے لئے بارہ سو کے قریب ہمارے تنخواہ دار بندوق والے ملازم تھے۔ اندریں حالات ہمارے لئے روپیہ پیدا کرنا آسان ہوگیا تھا۔ شروع شروع میں مقام گدڑے علاقہ ٹیکری میں یہ بازار اوّل قائم کیا گیا۔ اسی مقام پر ہی ایک قلعہ میگزین زیر اہتمام تورخانان وموسیٰ خان تیار کرانا شروع کر دیا گیا۔ بعد میں دوسری اہم جگہوں پر بھی بازار قائم کر دیئے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ملک بھر میں سامان رسد و سپلائی آسانی سے حاصل ہونے لگا اور لوگوں میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

بابو ملک محمد شفیع خان ولد ملک محمد حسین خان پہلے گوجر خان میں پوسٹ آفس میں ملازم تھا، نوکری چھوڑ کر ہمارے ساتھ شامل ہوا۔ اوّل اوّل کیمپ کلرک تھا مگر یہ شخص بہت محنتی، دیانتدار، مستقل مزاج اور جفاکش تھا اور نہایت

لگن سے کام کرتا تھا اور دلی تمنا یہ ہوتی کہ کام جلدی مکمل ہو۔ اس لئے بہت بڑا کارندہ ہو گیا کیونکہ ہر کام اس کے ہاتھ سے ہوتا تھا۔ یہ شخص میر ا پرائیویٹ سیکریٹری بھی ہوتا تھا اور ہیڈ کلرک بھی تھا اور سب کارندوں کی نگرانی بھی کرتا تھا۔ بعض اعلیٰ حکام کے پاس ملاقات کے لئے روانہ کیا جاتا تھا اور بعض اوقات مولوی صفی اللہ صاحب کے ساتھ علاقہ غیر میں فوجی کاموں پر روانہ کیا جاتا تھا۔ دراصل جو سخت مخفی کام یا اہم پروگرام ہوتا وہ مولوی صفی اللہ، ملک محمد شفیع اور سردار رام سنگھ مرتب کرتے تھے۔ یہ اصلی کیبنٹ (Cabinet) تھی۔ ان کے علاوہ بڑے جرگہ میں سب سردار شامل رہتے تھے۔ بعض تجارتی معاملات میں قاضی فضل الرحمٰن خان صاحب پوسٹ ماسٹر صاحب وائسرائے انڈیا بڑی دلچسپی سے مجھ کو مشورہ دیتے تھے بلکہ رخصت لے کر بعض اہم جگہوں پر دورہ بھی کرتے تھے۔ بلکہ ایسے ایسے نقائص اور غبن قاضی صاحب نے پکڑے جن کو ہر گز کوئی دوسرا شخص سمجھ بھی نہ سکتا تھا۔

1۔ الغرض اس عظیم مصروفیات کا انجام یہ ہوا کہ تمام اقوام **سنکوئی** و تمام اقوام نند ہاڑ و آلائی و کوہستان نے نہایت راستی اور خوش دلی سے بیعتِ سلطانی کی۔

2۔ تمام املاک و اقوام میں ہماری طرف سے سردار اور کارندے مقرر کئے گئے اور ہر قوم کے قلعہ اور ملک پر مکمل طور پر قبضہ کیا گیا۔

3۔ ہر قوم میں لشکر شاہی کو ترتیب دیا گیا اور ہزار ہا آدمی بصورت ٹیری ٹوریل فورس (Territorial Force) ملازم ہوئے اور سب قومیں مجموعی طور پر تنظیم لشکری میں داخل ہوئیں۔ **سنکوئی**، نند ہاڑ، آلائی اور کوہستان سے لشکر تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ جنگ میں آنے والا موجود تھا۔

4۔ باتنخواہ فوجی ملازمان تمام ملک کی مجموعی طاقتوں سے زیادہ ہو گئے۔

5۔ ملک میں بازار اور سلسلہ تجارت کی تجاویز نہایت اعلیٰ طور پر زیرِ عمل لائی گئیں۔

6۔ تمام سرداران و رؤسائے قوم اور پیرانِ طریقت اور علمائے کرام کی جاگیریں مقرر کی گئیں اور ان کو آمادہ کیا گیا کہ وہ ملک میں اسلامی تعلیم کو رائج کرنے کے لئے مساجد و مکاتب میں بچوں اور بالغوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دیں۔ اس کام کے لئے امداد بھی مہیا کی گئی۔ چنانچہ پہلے سال کا روپیہ جو اس مد میں خرچ کیا گیا وہ ستر ہزار روپیہ سے زیادہ تھا۔

7۔ اسلحہ جنگ کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا۔ بندوق یک فائر والی، پانچ فائر والی، دس فائر والی اور توپ (جو میرک خاں آف جمرود نے بطور نذر پیش کی تھی) مشین گن اور لائٹ ریوالور وغیرہ اور سامان ذخیرہ کرنے کا بہترین انتظام کیا گیا۔

ہمارے انتظامات کے ان حالات کو دیکھ کر والئی سوات اور دیگر خوانین نے ہمارے خلاف شکایتیں اور عرضیاں پیش کیں مگر کچھ مکمل اثر نہیں ہوا۔ عرضی کے متعلق ہم کو صرف ایک مراسلہ بطور بازپرس آ جاتا تھا۔

## گورنر گریفتھ کی کارروائی

اب مخالفین نے گورنمنٹ کے وزرا سے ساز باز شروع کی کیونکہ تمام وزرا دریائے انڈس (سندھ) کے کنارہ کے باشندے تھے۔ ان کو یہ محسوس ہوا کہ ایک شخص پنجاب سے آ کر بادشاہ ہو گیا اور ہم یہاں ملازم ہی رہے۔ جتنا عرصہ ہم نے اپنی انتظامی کارروائی میں صرف کیا یہ لوگ مختلف منصوبے بناتے رہے اور گورنر مسٹر گریفتھ کے دماغ پر آزماتے رہے لیکن ان کی تمنا پوری نہ ہوتی تھی۔ آخر اِن دو چیزوں کا مسودہ تیار کر کے پیش کیا گیا۔

1۔ یہ کہ پیر صاحب نے جو اس قدر عظیم الشان کامیابی حاصل کی ہے اس کی تہہ میں کوئی مخفی طاقت کارفرما ہے اس کا پتہ لگانا چاہیے۔ اس چیز کا اثر ہوا۔ گورنر نے تحقیق کا حکم دے دیا۔ ایک سرکاری رپورٹر کا بیان ہے کہ پیر صاحب کے خلاف جو رپورٹیں روانہ کی گئیں وہ گیارہ سو سے زیادہ ہیں۔ اب وزرا صاحبان نے جو یہ ہوّا کھڑا کیا تھا اس کا کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکے صرف ان کی قیاس آرائیاں تھیں اس لئے کچھ اثر نہ ہوا۔

2۔ یہ کہ مسلمانوں کو اسلامی اصولوں پر قائم کر کے ایک اسلامی مرکز میں جمع کر لیا جائے تو مسلمانوں کی مجموعی طاقت سے ملکی اور غیر ملکی اقوام کا مقابلہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ دنیا میں یہ کام کرنے والا کوئی نہ تھا۔ مگر مدت کے بعد یہ شخص (**پیر نظیر احمد**) آ گیا ہے جس نے قرون اولیٰ کا وہی قدیم طریقہ قائم کر دیا ہے اور وہی جذبہ دینی پیدا کر دیا ہے۔ پیر صاحب کا مدعا یہ ہے کہ اس آزاد علاقہ میں اس قدر عظیم الشان سلطنت بنائی جائے کہ تمام اضلاع سرحد، اضلاع پنجاب بلکہ بمبئی تک اس کو اسلامی مرکز خیال کریں اور یہ جائے وقوع بھی ہر خوبی رکھتی ہو۔ اطراف میں قریب کابل اور دریائے ہامون تک آزاد قبائل ہیں اور بالشویک کا بھی قریبی راستہ ہے۔ یہ چیز وہاں تک خود بخود بڑھ جائے گی۔ اس کے ذریعے سے حکومت انگریزی نابود ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس ریاست کا قائم ہو جانا عظیم الشان مشکلات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔

مسٹر پارسن چونکہ بہت گہرا اور دور اندیش انسان تھا وہ گورنر کی رائے کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ وہ خود بخود بڑے تجربہ اور بڑے دماغ کا انسان تھا۔ وہ اس مسودے سے کچھ متاثر نہ تھا۔ البتہ گورنر مسٹر گریفتھ ایک چھوٹے دماغ کا انسان تھا اور اس کو ہر شخص گمراہ کر سکتا تھا شبہات اور ڈر اس کے خمیر میں تھے۔ مسٹر گریفتھ نے کئی حکم ہم کو روانہ کئے مگر چونکہ وہ حکم عقلمندی سے خالی تھے اس لئے ہم نے ان کو کوئی وقعت نہ دی۔ ہمارے مخالفین نے گورنر کے خوب کان

بھرے کہ یہ شخص بہت مغرور ہے اس پر کسی حکم کا اثر نہیں ہوتا اس لئے گورنر لاہور کو چٹھی بھیجنی چاہیے۔ چنانچہ زبردست اثرات میں گورنر پنجاب کو لکھا گیا کہ پیر **نظیر احمد مکسی** حکم کی تعمیل نہیں کرتا۔ ان دنوں چیف سیکریٹری پنجاب مسٹر سی سی گاربٹ تھا جو مجھ سے پہلے ہی سخت ناراض تھا۔ اس کی ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ اس نے موہڑہ شریف میں آ کر سرخ پوشوں کے خلاف مجھ سے لمبی چوڑی باتیں کیں کہ یہ حکومت کے خلاف ہیں اور اسلام کے مخالف ہیں۔ اس لئے بہت ضروری ہے کہ اب عرس شریف کے موقع پر میں یہ اعلان کروں کہ

1۔ سرخ پوش کافر ہیں اور اسلام سے خارج ہیں۔

2۔ لوگوں کو سرخ پوشی میں داخل ہونے سے منع کروں۔

چنانچہ مسٹر گاربٹ نے تقریر کی۔ مسٹر گاربٹ نے خود تقریر کرنے کی اجازت مانگی۔ ہم نے اجازت دے دی مگر میں نے ان کی تجویز کو منظور نہ کیا کہ سرخ پوش کافر ہیں بلکہ صاف انکار کر دیا اور لوگوں کو سرخ پوشی میں داخل ہونے سے منع کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ اس پر گاربٹ نامعقول بہت رنجیدہ ہوا اور گورنر پنجاب سے جا کر الٹ پلٹ باتیں کیں۔ اب اسے موقع ملا تو اس نے اپنی ناراضگی کو دل میں رکھ کر گورنر پشاور کو پُر زور مخالفت کی چٹھی لکھی کہ پیر **نظیر احمد** پر آپ اطاعت کی کوئی طمع نہ رکھیں اور بہت بدگوئی استعمال کی۔ جس پر گورنر پشاور بہت تیز اور گرم ہو گئے اور قوامِ مخالفت پختہ ہو گیا اور گڈنی چیف سیکریٹری کو حکم دیا کہ پیر **نظیر احمد** کو ایک طویل مراسلہ بھیجو۔ چنانچہ ان کا مراسلہ موصول ہوا جس میں گورنر کی برہمی اور غصّہ کا اظہار نمایاں ہوتا تھا۔ گڈنی کے بعد سیکریٹری ایک عقلمند آفیسر مسٹر کیرو (Caroe) تھے، ان کو بھی حکم ہوا کہ پیر **نظیر احمد** کی ایک ہسٹری تیار کروائیں۔ چنانچہ مخالف مضمون کی ہسٹری تیار ہوئی۔ اس کے بعد ایک بورڈ اس پر غور کرنے کے لئے مقرر ہوا۔ اس بورڈ کا مبحث تو ''میرے حالات پر غور کرنا'' تھا مگر یہ خبر بالکل اس طرح نکل گئی کہ حکومت نند ہاڑ آلائی کا فیصلہ اب ہونے والا ہے اور حکومت انگریزی جس کو چاہیں دے دیں گے۔ یہ مخفی (Confidential) افواہ شائع ہوئی۔ اس پر والئی سوات نے بھی درخواست دے دی کہ حق میرا ہے۔ نواب صاحب انب نے بھی درخواست دے دی اور خان اسلم خان آف گڑھی نے بھی اپنا حق جتایا اور دوسرے مخالفین نے بھی کوشش شروع کر دی۔

بورڈ نے تین دن کے بعد چیف سیکریٹری کے ذریعہ رپورٹ مکمل کر دی اور دو امور کو ثابت کر دیا۔

1۔ سوائے پیر **نظیر احمد** صاحب کے کوئی دوسرا شخص یہ حکومت نہیں سنبھال سکتا۔

2۔ پیر **نظیر احمد** کسی سرکاری حکم کی پرواہ نہیں کرتا، وہ جو کچھ بھی کرتا ہے یا کرے گا وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں کرے گا۔

اب گورنر خود فیصلہ کریں۔ گورنر نے مسل مسٹر پارسن کو دی کہ تم اس پر اپنی مکمل رائے دو۔ چنانچہ مسٹر پارسن نے بہت غور کیا اور لکھا کہ میں پیر **نظیر احمد** سے تنہائی میں خود گفتگو کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ چنانچہ حسب مشورہ گورنر اور نواب صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب میرے لئے چند سوالات مرتب کئے گئے اور مسٹر مٹکاف چیف سیکریٹری وائسرائے نے بھی یہی حکم دیا تھا کہ پیر **نظیر احمد** کو شرائط منوا کر ملک میں ان کا انتظام قائم رکھنا چاہیے۔

## صاحبزادہ عبدالقیوم خان کا کردار

نواب صاحبزادہ عبدالقیوم خان تو تمام چیز بنا چکے تھے اب جب معاملہ میرے حق میں پلٹتا نظر آیا تو وہ بے تاب ہو گئے۔ آخر شام کے وقت میرے پاس آئے اور مجھ کو سمجھایا کہ میں مدت دراز سے موہڑہ شریف سے واسطہ رکھتا ہوں اور میرے دل میں آپ کے لئے ہمدردی ہے اس لئے میں اس قدر ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اگر شرائط پیش کئے جائیں تو آپ کچھ بھی تسلیم نہ کریں کیونکہ گورنمنٹ نے آپ کے کام میں کوئی خاص امداد نہیں دی تھی اور ابتداء میں اگر بنیادی شرائط ہی درست نہ ہوں تو آئندہ تکلیف کی کیا ضرورت ہے۔ الغرض اس وعظ و نصیحت کا اثر میرے دل میں ضرور پیدا ہوا تھا۔ چند دن کے بعد پارسن کا مراسلہ آیا کہ آپ تشریف لائیں۔ چنانچہ میں گیا۔ پارسن نے نہایت صاف دلی سے گفتگو کی۔ وہ وقت چلا گیا، وہ کام چلا گیا مگر ان کی صاف دلی اور صاف بیانی کی خوبی اب تک میرے دل میں اثر رکھتی ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ دیکھو پیر صاحب ہر شخص اپنے فائدے کی ضرورت رکھتا ہے آپ نے یہ سارا کام بڑی تکلیف سے انجام دیا مگر اب گورنمنٹ آپ کے خلاف ہے اگر آپ میری نصیحت منظور کریں تو آپ ہمارا فائدہ قائم کریں تا کہ گورنمنٹ آپ کے فائدے کے ماتحت آپ کی مددگار ہو اور اب آخری فیصلہ میری رائے اور میری تحریر پر ہوگا۔ مسل ان کی میز پر رکھی تھی۔ میں نے کہا میں تمام تر فائدہ گورنمنٹ کا منظور کرتا ہوں، میرا کوئی اعتراض نہیں ہے۔ پارسن نے کہا، ہاں جب تک آپ تھاکوٹ نہیں پہنچتے، تھاکوٹ جا کر کوئی وعدہ نہیں رہے گا اور گفتگو زبانی کچھ چیز نہیں ہے اب دو باتوں میں سے ایک مان لیں۔

1۔ اوّل یہ کہ تھاکوٹ سے آگے اقدام نہ کریں۔ (یہ تھاکوٹ، نندہاڑ اور **سنکڑی** دونوں علاقوں کی آخری حد ہے)

2۔ دوسرا یہ کہ اگر تھاکوٹ سے آگے جانے کا خیال ہو تو ہماری شرائط منظور کریں۔ وہ شرائط یہ ہوں گی۔

(2.1) حکومت میں ہر کام ہماری رضامندی اور ہماری منظوری سے ہو۔

(2.2) جنگلات سب انگریزی حکومت کی ملکیت ہوں۔

(2.3) قانون تعزیرات ہند ضابطہ فوجداری ہو۔

(2.4) ہمارا مفرور ہمیشہ واپس کیا جائے۔

دراصل نواب سر عبد القیوم خان وزیر اعلیٰ سرحد جس نے چالیس سال سے زائد مدت پولیٹیکل محکمہ کی بحیثیت ایک ذمہ دار افسر ہونے میں گزاری اور جس نے حکومت انگریزی کے اعلیٰ حکام کو اپنی رائے پر چلانا اور غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط منوانا اور انگلینڈ تک حکومت کی پالیسی تبدیل کرانے کا ہنر کامل طور پر حاصل کیا تھا اور اس شخص کی پولیٹیکل علمیت اور بھرپور تجربہ کا آخری امتحان میرے کام پر شروع ہوا۔ جو میرے خلاف ان کو کرنا پڑا۔ چونکہ انگریز افسروں کی موجودگی میں نواب صاحب کو میرے خلاف فرضی معاملات بنانے میں دقت تھی اس لئے اس نے اوگی کے انگریز پولیٹیکل افسر کو تبدیل کرایا اور اس کی جگہ اپنے ہم خیال ایک مسلمان افسر ڈیرہ اسماعیل خان کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو تبدیل کر کے اوگی میں منگوایا اور اپنے بھائی صاحبزادہ محمد عمر خان کو جو پولیس انسپکٹر تھا، ہمارے خلاف کاروائی پر مقرر کیا تا کہ وہ اپنے عملہ کے ذریعہ ہمارے خلاف رپورٹیں پیش کرے۔

اب گورنر کے دماغ پر قبضہ حاصل کرنا آسان ہو گیا اور فضا بدلاتے بدلاتے ان کی شرائط متذکرہ بالا پر نوبت آئی۔ اس نے نہ صرف حکومت کے دست و پا کو اپنی مرضی سے چلایا بلکہ تمام پرانے تعلقات پیری و مریدی، دوستی و اخلاص مندی کے اثر کے ماتحت میرے دماغ پر اثر ڈالا اور مجھے مشورہ دیا کہ اگر آپ پیش کردہ شرائط منظور کر لیں گے تو گویا آپ نے اپنے کام کو اپنے ہاتھ سے ختم کر دیا وغیرہ وغیرہ۔

القصہ اس سلسلہ میں گورنر لاہور کے ذریعہ ڈپٹی کمشنر راولپنڈی مسٹر بریڈفورڈ کو بھی موہڑہ شریف روانہ کیا گیا۔ وہ نہایت صاف دل اور اندرونی سازشی معاملات سے بے خبر تھا۔ اس نے تنہائی میں مجھ سے دو امور پر تحقیق کی۔

1۔ ایک یہ کہ آپ گورنمنٹ کی مرضی کے مطابق کام کیوں نہیں کرتے۔ دیکھو کیا آپ شرائط و احکامات گورنمنٹ پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں؟

2۔ دوم یہ کہ اس عظیم الشان کام کے انجام دینے کے لئے روپیہ کہاں سے آتا ہے؟

میں نے نہایت ایمانداری اور صفائی سے پہلے سوال کے جواب میں کہا کہ گورنمنٹ کا ہر حکم جو گورنمنٹ کے فائدے میں ہو میں منظور کروں گا مگر یہ شرط ہے کہ گورنمنٹ بھی ہم کو پوری امداد دے۔ دوسرے سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ ملک اور قوم کام بناتے ہیں۔ غلّہ، روپیہ اور بندوق وغیرہ سب وہاں سے وصولی سے ہوا ہے۔

خدا کی شان تھی کہ شروع میں میں جب موہڑہ شریف سے روانہ ہوا تھا تو میں نے کوئی روپیہ لنگر سے یا جناب پیر صاحب (والدمؒ) سے نہیں لیا اور نہ ہی موہڑہ شریف کے سلسلے کے کسی مرید سے کوئی مالی امداد کسی طرح کی حاصل کی بلکہ بعد میں جناب پیر صاحب (والدمؒ) نے ایک شخص سید زمان شاہ صاحب کے ہاتھ کافی رقم میری طرف روانہ کی تھی

مگر میں نے اس میں سے صرف ایک چاندی کا روپیہ لے کر باقی رقم واپس کر دی تھی کہ کارساز خدا ہے وہی بہتر طریقہ کا کام پیدا کر دے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے کبھی کوئی دقت پیش نہیں آئی ہر چیز ہر معاملہ خود بخود ہی بنتا جاتا ہے۔

سنا گیا تھا کہ بریڈفورڈ صاحب نے نہایت عمدہ رپورٹ گورنر پشاور کو روانہ کی جس میں میری وفاداری اور راستی عمل کا ذکر کیا۔

الغرض شرائط مذکورۃ الصدر کا جواب تو بہر حال دینا ہی تھا۔ ان دنوں محمد اکرم خان صاحب عباس منزل لاہور والے میری خط و کتابت خصوصی کے ذمہ دار تھے اور مسٹر ڈائس بھی آ پہنچے۔ ان سب کے مشورے سے ایک مضمون لکھ کر ٹائپ کرا کر دستخط کر کے روانہ کر دیا۔ اس مضمون میں شرائط کو قبول نہیں کیا گیا۔ سہل اور غیر مفصل تحریر تھی۔ جس سے مسٹر پارسن کو علم ہو گیا کہ شرائط قبول نہیں کی گئیں۔ اب نوابزادہ کو یہ موقع بڑی مشکل سے ملا تھا جو ان کی بڑی محنت کا نتیجہ تھا اس نے بہت حاشئے چڑھائے اور فتوے لگائے اور گورنر کا دماغ ان کے اثر میں مکمل طور پر مغلوب ہو گیا اور گورنر کو معاملہ کی ایسی تصویر بنا کر دکھلائی گئی کہ گورنر کا یہ خیال ہو گیا کہ اس عظیم الشان بلائے مہلک سے کس طرح ہم بچ جائیں۔ اب بچنے کی صورت تلاش کر رہا تھا۔ اب اس کا علاج یا مدافعت اگر ہو سکتی تھی تو وہ بھی نواب زادہ صاحب سے ہو سکتی تھی چنانچہ انہوں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا اور گورنمنٹ کو مشکور کیا۔

## سکندر مرزا ڈپٹی کمشنر ہزارہ

اسی اثناء میں مسٹر پارسن وائسرائے کے ساتھ ڈپٹی فارن سیکریٹری کے عہدے پر دہلی چلے گئے اور مسٹر سکندر مرزا ڈپٹی کمشنر ہزارہ مقرر ہوئے۔ مجھے ان کے حالات خاندانی سے واقفیت تو کچھ نہیں البتہ اس کا برتاؤ جو میرے ساتھ اس سلسلہ حکومت کے دوران ہوا اس سے طویل داستانیں پیدا ہوتی رہیں۔ اس سلسلہ حکومت کے دوران ان سے گہرا واسطہ پڑا۔ مسٹر پارسن کی طرح تو وہ صاف گو اور عالی دماغ نہ تھے مگر نہایت بے ضرر انسان ثابت ہوئے اور جو کچھ سکندر مرزا صاحب نے مجھے ہمدردانہ مشورہ دیا اور گفتگو کی وہ ہمیشہ یاد ہے کہ ان کی باتیں سیاسی دماغ کی پیداوار تھیں۔ میرا دل ان سے خوش ہوا اور ان کی ترقی کا خیال پیدا ہوا۔ پولیٹیکل محکمہ کے ذریعہ رپورٹوں کا جو سلسلہ قائم کیا گیا تھا وہ اس قدر کثرت سے تھا کہ مفتی صاحب کا بیان تھا کہ پیر صاحب کی کارروائی نے مصروفیت اتنی زیادہ بڑھا دی کہ کئی نئے کلرک کا عملہ مقرر کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔

نوٹ :(غالباً اسی خیال کی برکت تھی کہ آخر کار وہ مملکتِ پاکستان کے صدر مقرر ہو گئے) (مؤلف)۔

## متعلقہ افسران

انگریزی حکومت کے اعلیٰ افسران جو ہمارے اس کام میں متفق یا مخالف یا درمیانی کیفیت میں تھے، درج ذیل ہیں۔

### اُن اعلیٰ آفیسروں کے نام جو اس کام سے متفق اور مویّد تھے

1۔ مسٹر بولٹن چیف کمشنر پشاور
2۔ مسٹر کین چیف کمشنر پشاور
3۔ آنریبل ہاول فارن سیکریٹری وائسرائے اور پولیٹیکل سیکریٹری
4۔ غیاث الدین صاحب خان بہادر اسسٹنٹ پولیٹیکل سیکریٹری
5۔ مسٹر مٹکاف پولیٹیکل سیکریٹری وائسرائے
6۔ گورنر لاہور ڈیمانڈ مورنیسی
7۔ سر سکندر حیات جو بعد میں گورنر پنجاب ہوئے
8۔ مسٹر سنکلیر ڈپٹی کمشنر ہزارہ
9۔ مسٹر بریڈفورڈ ڈپٹی کمشنر راولپنڈی
10۔ مسٹر روز پولیٹیکل ایجنٹ اوگی
11۔ مسٹر کالرج جنرل آفسر ناردرن کمانڈ

### اُن آفیسروں کے نام جو ہمارے اس کام کے سخت مخالف تھے

1۔ گورنر پیئرز پشاور
2۔ نواب صاحبزادہ عبدالقیوم خان وزیر اعلیٰ گورنمنٹ پشاور
3۔ مسٹر گریفتھ گورنر پشاور
4۔ گل محمد پولیٹیکل ایجنٹ اوگی

گورنر پیئرز والئی سوات کے دوست ہونے کی وجہ سے سخت مخالف تھا۔

صاحبزادہ عبدالقیوم خان کسی شخص مخالف کا رشتہ دار بھی تھا مگر بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں گورنر گریفتھ سے نتھیا گلی جا کر تصفیہ کرادوں میرے ذریعے سے کامیابی آسان ہے مگر میں نے یہ منظور نہ کیا۔ اس وجہ سے کہ گورنر گریفتھ ہمارے حق میں فیصلہ کر چکا تھا مگر بعد میں ان لوگوں کے کہنے پر مخالف

ہوگیا۔نہایت بد دماغ شخص تھا۔صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے بھی یہ کہا تھا کہ وہ بے دماغ شخص ہے، قابل اعتبار نہیں ہے۔ویسا ہی ثابت ہوا۔

## اُن آفیسروں کے نام جو نہ مخالف تھے اور نہ عداوت رکھتے تھے گورنمنٹ کے حکم کی تعمیل بھی کرتے تھے مگر راستی بھی رکھتے تھے

1۔ مسٹر پارسن ڈپٹی کمشنر ہزارہ

2۔ مسٹر کیرو چیف سیکریٹری گورنمنٹ پشاور

3۔ سکندر مرزا ڈپٹی کمشنر ہزارہ

## ملکی حالات

نہایت اختصار سے اس ملک کے حالات درج ذیل ہیں۔

یہ ملک درحقیقت تین حصوں میں منقسم ہے۔

### 1۔اقوام سنکڑی

یہ لوگ دریا کے نزدیک آباد ہیں اور زیادہ تر اصلی پٹھان ہیں۔

### 2۔اقوام نندہاڑ

یہ ملک بہت دور تک ہے۔بہت قوموں میں منقسم ہے۔یہ سب قومیں صواتی قوم کی شاخیں ہیں مگر بجائے خود ہر قوم ایک **علیحدہ** قوم کہلاتی ہے۔

### 3۔آلائی

یہ بہت وسیع علاقہ ہے۔اس میں میدان بھی ہیں پہاڑ زیادہ ہیں۔جنگلات کی کثرت ہے۔اس ملک کی زبان پشتو ہے۔

### 4۔کوہستان

اس حصہ ملک میں تقریباً متذکرہ بالا اقوام کی برابر آبادی ہے مگر رقبہ ان سے بھی زیادہ ہے۔

سب پہاڑی علاقہ ہے اور جنگلات کی کثرت ہے۔کوہستان میں سواتی یا پٹھان نہیں ہیں۔یہ **علیحدہ**

اقوام ہیں اوران کی زبان کوہستانی ہے۔کوہستانی زبان پشتو اور فارسی سے بالکل **علیحدہ** ہے۔

اقوام نند ہاڑ و آلائی و **سنکوی** میں پچاس ہزار اوّل درجہ کی بندوقیں اور جنگی سپاہیوں کا لشکر موجود رہتا تھا۔ اسی طرح کوہستان کے پچاس ہزار آدمیوں کا لشکر مع اصلی بندوقوں کے موجود تھا۔ یہ سب لشکر اصلی اہل وطن کا تھا۔ یہاں ہر شخص اپنی بندوق اور کارتوس کی آراستگی میں مصروف رہتا تھا۔ زیورات، کپڑے، زمین، گھر، اثاث البیت وغیرہ سب سے اوّل درجہ جائیداد اپنی بندوق کو خیال کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اولاد اور ہتھیار کو ایک ہی درجہ دیا جاتا تھا۔ اقوام کے افراد لڑائی کے شوقین اور تجربہ کار ہیں۔ اگر کسی حکومت سے اس ملک کی لڑائی ہو جائے تو یہ لشکر کئی لاکھ ہو جاتا ہے کیونکہ اس وطن سے باہر کے لوگ اپنے اپنے ہتھیار لے کر ان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں اور ہر قسم کی امداد باہر سے ملنی شروع ہو جاتی ہے۔

اقوام نند ہاڑ **سنکوی** اور آلائی کی ملکی آمدنی بغیر کسی خاص ترقی کے کم از کم بیس لاکھ سالانہ ہو سکتی ہے اور اگر وہاں ترقی کے ذرائع اختیار کئے جائیں تو یقیناً بہت زیادہ بڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح دریا پر قبضہ رکھنے سے کم از کم آمدنی دس لاکھ ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوہستان کے جنگلات سے بڑی معقول آمدنی (کم از کم دس لاکھ) ہو سکتی ہے۔ جبکہ ان جنگلات کی عظمت بھی قائم رکھی جا سکتی ہے۔

نیز اس ملک میں بہت زیادہ قیمتی معدنیات بھی ہیں جن کی تفصیل لکھنا یا اس کا اظہار کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ جب خدا کی مرضی ہوئی اور وقت آ گیا تو یہ اشیاء خود ظاہر ہو جائیں گی۔ ہم راز افشانی کے مجاز نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ اس علاقے کی جائے وقوع ایسی ہے کہ ہر وطن سے ہر کام کے لئے جو دنیا میں بڑے سے بڑا اور ضروری ہو، یہ جگہ مناسب لگتی ہے۔ یہ معاملہ بھی اجمالاً ہی ظاہر کرنا مناسب ہے۔

ہم نے اس ملک کے مفصل حالات جداگانہ لکھے ہیں۔ مسٹر مٹکاف نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کو ڈائریکٹری آف مٹکاف کہا جاتا ہے۔ نیز پارکر نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کو فلورا آف پارکر کہتے ہیں مگر اندرونی خاص اشیاء پر ان کا علم نہیں پہنچا۔

جب کہ میں نے حکومت کی شرائط صاف طور پر قبول نہ کیں تو مسٹر پارسن صاحب نے بمطابق حکم گورنر گریفتھ کا ہم کو حکم سنایا کہ اب نئی اجازت کے بغیر آپ علاقہ غیر میں جانے کے مجاز نہیں ہیں۔ حالانکہ ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ مرکزی حکومت کی طرف سے حکم آ چکا تھا کہ پیر **نظیر احمد** کی اپنی پالیسی کے ساتھ متفق کر کے اس کام کو قائم رکھنا بہتر ہے بشرطیکہ کوئی خاص صورت مانع نہ ہو۔ مگر پشاور کی گورنمنٹ نے اپنے مشیروں کے ذریعے میری مخالفت کا پورا سامان مہیا کر رکھا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد گورنر گریفتھ نے مجھے چٹھی لکھی کہ اگر ثابت ہو جائے کہ آپ ہمارے حکم

کی تعمیل کریں گے تو ہم آپ کو علاقہ غیر میں جانے کی اجازت دے دیں گے۔ اب ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ گورنمنٹ سے یہ معاملہ طے کرنا کس قدر آسان امر تھا۔ اپنے متفق اعلیٰ حکام سے گفتگو کی جاتی اور امداد لی جاتی تو بھی ہوسکتا تھا اور کوئی صورت نہ ہوتی تو شرائط ہی منظور کر لئے جاتے تو بھی مخالفین کو شکست ہو جاتی اور معاملہ درست ہو جاتا۔ گویا تھوڑی کوشش سے گورنمنٹ کی منظوری ہوسکتی تھی۔

متذکرہ بالا حالات کامیابی، انتظام وقبولیت ملک اور تکلیفات واخراجات وغیرہ پر غور کیا جائے تو جو رکاوٹ منجانب حکومت برطانیہ پیدا ہوئی تھی۔ تھوڑی سی کوشش سے رفع ہوسکتی تھی تو کیا وجہ ہے کہ یہ رکاوٹ دور نہ کی گئی اور اس قدر بڑے کام اور عظیم الشان تکالیف کی پرواہ نہ کی گئی۔ یہ نہایت تعجب خیز امر ہے۔ مگر یہ خیالات تعجب خیز، ناتجربہ کاری کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔

درحقیقت معاملہ اس طرح ہے کہ گورنمنٹ کے وزیراعظم اور دیگر افسران ضلع اور گورنر کے حکم کی وقعت ہماری نگاہ میں کچھ بھی نہ تھی اور یہ بالکل درست خیال تھا اس لئے کہ گورنمنٹ کسی فرد کو اقوام علاقہ غیر میں بادشاہ نہیں بنا سکتی تھی بلکہ وہ بے بس تھی۔ بلکہ ایک گاؤں بھی کسی کو نہ دے سکتی تھی اور نہ ہی گورنمنٹ کی منظوری سے اقوام پر کچھ اثر پڑتا تھا۔ انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ اس علاقہ کے ساتھ ملحقہ ایک قطعہ زمین ہے جس کا نام بلیجہ ہے۔ یہ خان بہادر عطائی خان رئیس آف **بٹل** کی ملکیت ہے۔ خان بہادر عطائی خان **بٹل** جو کہ علاقہ انگریزی میں رہنے والا ہے اور غلام حیدر خان آف ہلان علاقہ غیر کا باشندہ ہے اس نے اس زمین پر جبراً قبضہ کر لیا۔ انگریزی حکومت کی ڈگری ہو چکی۔ ڈپٹی کمشنر اور گورنرز ور لگا چکے مگر غلام حیدر خان نے وہ زمین عطائی خان کو نہیں دی۔ گورنمنٹ کا کوئی چارہ بھی کارگر نہ ہوا۔

## ہمارا اصل پروگرام

ہمارا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ گورنمنٹ کے اس حکم کی ہم تعمیل کریں گے۔ انگریزی حکومت کے حکم اور فیصلے ان لوگوں پر عائد ہوتے ہیں جو انگریزی حکومت کے رہنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب میں انگریزی حکومت کے اندر آتا تھا تو گورنمنٹ حکم جاری کرتی تھی اور ہم بخوبی جانتے تھے کہ یہ سب کھیل ہے۔ یہ آرڈر کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ ہماری نگاہ تو اصلی امور پر تھی۔ اصلی امور یہ تھے کہ اقوام ملک میں تنظیم کی تکمیل ہو جائے اور اسلام کے لئے ایک مضبوط مرکز قائم کیا جائے۔ اسی پروگرام کے ماتحت قلعہ میگزین کی تعمیر شروع کی گئی اور جلد مکمل کرنے کی کوشش شروع کی گئی۔ تمام اقوام ملک بیعتِ سلطانی میں داخل ہو چکی تھیں اور معاہدے تحریری ہو چکے تھے اور فوجی تنظیم بھی ہو چکی تھی۔ سامانِ جنگ وافر مقدار میں موجود تھا۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ تمام کاروائی اور انتظامات مکمل طور پر مخفی طور پر سرانجام دیئے جائیں اور ہر قوم میں سپاہی لوگوں کی تقرری ہو کر چکرزئی، نند ہاڑ، آلائی اور کوہستان تک ہر معاملہ کو مکمل کر کے ایک ہی

دن میں نشان (جھنڈے) نصب کئے جائیں اور دستور اور عدالتی کاروائی جاری ہو جائے۔ اس تمام کاروائی کی خاطر ضروری تھا کہ میں خود حدود انگریزی سے مع لواحقین علاقہ غیر میں پہنچ جاؤں۔ چنانچہ ان دنوں میں مع بال بچہ اور لواحقین تقریباً 30 افراد حکومت انگریزی کے کنارہ پر پہنچ کر قیام رکھا تھا تا کہ ہنگامی حالات کی صورت میں وہاں سے نکل کر با آسانی علاقہ غیر میں پہنچ جائیں۔ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جس وقت میرا اپنا قیام مع لواحقین کے علاقہ غیر میں ہو جاتا اور مجھے بار بار واپس آنے کی ضرورت نہ رہتی تو وہاں سے جن شرائط کا تقاضا کرتے وہی شرائط گورنمنٹ پسند کرتی اور جو آفیسر ہماری مخالفت میں سرگرداں تھے وہ ہماری خوشامد کر کے گورنمنٹ کو مشکور کرتے۔ ان حالات میں گورنمنٹ کی شرائط اور گورنمنٹ کی منظوری کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اس لئے اس پہلو پر زور لگانا فضول کام تھا اور ہم نے اس معاملہ پر کوئی زور نہ لگایا۔

## موہڑہ شریف کی حاضری

الغرض جب ہماری کاروائی کے ضروری امور طے ہو گئے تو یہ خیال آیا کہ موہڑہ شریف جاؤں اور جناب پیر صاحب (والدمؒ) سے ملاقات بھی ہو جائے اور نیز ایک نشان (جھنڈا) بادشاہت کا قلعہ پر جو ہمارا دارالحکومت ہوگا وہاں لگایا جائے۔ اس کے بعد تمام قلعہ جات اور دفتری مقامات پر یہ نشان لگائے جائیں۔ نیز کچھ اور کام بھی درپیش تھے جن کی وجہ سے موہڑہ شریف آنا پڑا۔

جب راولپنڈی پہنچا تو رات کو ایک نہایت عجیب خواب دیکھا۔ خواب یہ تھا کہ موہڑہ شریف میں ایک عظیم الشان مسجد ہے۔ دنیا کے لوگ اس میں نماز پڑھتے ہیں اور وہ میری مسجد ہے مگر میں نے اس مسجد کے اوپر یعنی اس کی چھت پر دوسری منزل بصورت بنگلہ یعنی محل بنایا ہے اور بہت شاندار محل ہے اور میں نے یہ خیال کیا کہ میں نے یہ محل اس لئے بنوایا ہے کہ اس میں والیانِ ریاست اور بادشاہانِ مملکت وغیرہ میرے مہمان رہیں گے اور یہ محل مکمل ہو گیا تو بعد میں مجھے خیال آتا ہے کہ یہ کیا ہوا میں نے مسجد کے اوپر یہ محل بنوایا یہ تو غلطی معلوم ہوتی ہے کہ یہ بہت سخت بے ادبی ہے۔ حیران ہوں اور پشیمان بھی اور کہتا ہوں کہ یہ تو غلطی ہے۔ کوئی اور لوگ بھی میرے ساتھ دیکھتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں۔ یہ خواب پریشان کن تھا۔ گھبرا کر اٹھا اور بہت سوچا مگر اس کی تعبیر معلوم نہ ہوئی۔ کچھ خیال آتا بھی تھا مگر اس کی نفی کر دیتا تھا۔

## بادشاہت یا فقیری

اس خواب سے پہلے ایک اور واقعہ بھی گزر چکا تھا۔ وہ یہ تھا کہ جب میں انتظامی امور یا بعض ضروری مصروفیات سے فارغ ہوتا تھا تو میرے دل میں ایک گونہ رنج پیدا ہوتا تھا جو بلا ارادہ ہوتا تھا۔ دل سے اس کی نفی کرتا تھا

مگر پھر غم اور کچھ بے دلی پیدا ہو جاتی تھی۔ عموماً اس گھبراہٹ اور تشویش میں کنارۂ جنگل میں چلا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک روز جب حسبِ معمول جنگل میں گیا تو ایک شخص سیاہ تہ بند باندھے اور چھوٹی پگڑی والا سرخ رنگ وہاں بیٹھا تھا۔ میں بھی اس کے پاس جا کر بیٹھا۔ اس کے سر کے بال اور گیسو سیاہ رنگ کے تھے جو مونڈھوں سے اوپر کانوں سے نیچے تھے۔ اس شخص نے بھی میری طرف توجہ فرمائی۔ تھوڑی باتوں میں اور حرکات سے ایسا معلوم ہوا کہ وہ شخص خدا کے عشق میں جلا ہوا ہے۔ نہایت پُر درد اور اعلیٰ کیفیت کی باتیں کیں۔ میرے ساتھ محبت اور عزت سے پیش آیا۔ اس لئے میں نے بے تکلفی سے پوچھا کہ میرے دل میں بہت تشویش ہے ایک مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا، آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ اس شخص کے دریافت کرنے پر میں نے ظاہر کیا۔ وہ یہ تھا کہ بادشاہت اچھی ہے یا فقیری؟ درویش نے تھوڑی دیر خاموشی کر کے سر نیچے کر کے کہا کہ یہ سوال بہت مشکل ہے مگر میں آپ کو صاف اور مختصر جواب دیتا ہوں کہ فقیری اچھی ہے۔ جے کڈاں ڈھی ونجے (یعنی فقیری اچھی ہے اگر حاصل ہو جائے)۔ چونکہ میرا رُخ مصروفیتِ بادشاہت کی طرف تھا اس لئے میں نے اس کے حق میں وجوہات بیان کیں۔ بڑی وجہ یہ کہ خدا نے اچھے اعمال اور تکمیل عبودیت کا معاوضہ فرمایا کہ تم کو دنیا کی خلافت عطا کی جائے گی۔ قرآن شریف کی آیت پڑھ کر سنائی اور حضرت رسول کریم ﷺ کی زندگی کا آخری حصہ بادشاہت کے کام تھے اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضوان اللہ تعالیٰ عنہما کی زندگیاں بادشاہت (خلافت) میں مصروف رہیں وغیرہ وغیرہ دلائل بیان کئے۔ وہ شخص سنتا رہا مگر میرے دلائل کا اثر اس پر کچھ نہ ہوا۔ میری تقریر ختم ہونے پر نہایت آرام اور اطمینان سے جواب دیا کہ یہ سب ٹھیک ہے مگر فقیری میں شانِ خدائی ہے۔ دیکھو حدیث شریف میں ہے کہ

**جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ**

''سوکھ گیا قلم جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا''

اب یہ قلم کچھ نہیں لکھتا۔ لیکن میں کو قسم ہے خدا دی جے کڈاں فقیر ہون قلم کدن ڈہ واری آکھسی ڈہ واری لکھسی (مجھ کو قسم خدا کی ہے کہ اگر اس قلم کو فقیر دس بار کہے تو دس بار ہی لکھے گی)۔

## حضرت ابراہیم ادھمؒ کا واقعہ

الغرض اس مجلس نے دل کو بادشاہت سے ٹھنڈا کر دیا۔ جس طرح کہ حضرت ابراہیم ادھمؒ کا ایک شخص کی بات سے دل ٹھنڈا ہو گیا تھا اور وہ اداس ہو کر جنگل میں چلے گئے تھے۔ خیال بدل گیا اور بادشاہت ترک کر دی۔

القصہ جب موہڑہ شریف آیا تو پیر صاحب (والدؒ) کی خدمت میں پیش ہوا تو پیر صاحب نے نہایت غیر معمولی خوشنودی محسوس کی اور تھوڑی دیر اس طرح گفتگو کی کہ مجھ کو ستر سال گزر گئے کہ اس جنگل میں آ کر بیٹھا۔

پیر کے حکم کے ماتحت یہاں آ کر بیٹھا تھا۔ کئی لاکھ آدمی اس جنگل میں خدا کے ساتھ ملے اور خدا کے ہو گئے۔ یہ جگہ خدا کی ہے یعنی جس طرح مسجد خدا کی ہے جہاں خدا کی عبادت ہوتی ہے اسی طرح یہ جگہ خدا کے ملنے کے لئے اس نے بنائی۔ اے میرے قابل اور دنیا سے بہتر فرزند یہ چیز ضائع نہ ہو۔ ہمیشہ میری امید یہی رہی کہ میرا یہ بیٹا خدا نے مجھے اسی چیز کے لئے عطا کیا۔ یہ چیز دنیا کی قیادت اور بادشاہت سے بہتر ہے۔

یہ گفتگو سننے سے میرا دل زیادہ رنجیدہ ہوا کہ شاید مجھ کو اپنے کام سے منع کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن پھر بلایا اور گفتگو شروع کی اور فرمایا کہ انجام کار پر نظر ضروری ہے۔ میں نے نہایت نرمی سے بادشاہت کے مفاد بیان کئے اور اپنی نیت کا اظہار کیا کہ میں یہ کام دنیاوی جاہ وجلال کے لئے نہیں کر رہا ہوں بلکہ تقویت اسلام کے لئے کر رہا ہوں۔ جس طرح خلفائے راشدین نے خدمت کی وہی ارادہ ہے بلکہ ایک مولوی صاحب نے میرا ساتھ دیا اور حدیث شریف سنائی جس کا ترجمہ یہ تھا کہ ضعیف مومن سے قوی مومن بہتر ہے۔ مگر اس کا اثر نہ ہوا۔ بلکہ پیر صاحبؒ نے یہ جواب دیا کہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ اصحاب مچھلی کی طرح نور کے سمندر میں تیرتے تھے۔ اندر باہر زندگی اور سب حرکات نور سے تھیں اور نور کے اندر تھیں۔ ان کی تلوار اور نوری طاقت نے ان کفار کی حکومتوں کو گرایا جو ہزاروں برس سے ترقی کر رہی تھیں مگر جب عمارت اور نقشہ حکومت کا قائم ہوا تو مسلمانوں کی تلوار مسلمانوں پر ہی چلتی رہی اور سب چیز کا خاتمہ ہو گیا۔

اب اس گفتگو نے میرے دل میں کس قدر اثر کیا مگر دل میں یہ شک ضرور غالب آ گیا کہ پیر صاحبؒ اس کام کو پسند نہیں کرتے۔ پھر یہ تشویش دامن گیر ہوئی کہ اب اگر چلا جاؤں تو ممکن ہے کہ ان کی ناراضگی کچھ خراب اثر کرے گویا کھانے میں مکھی پڑ گئی اور خاموش ہو گیا۔ اور پھر حضرت ابراہیم ادہمؒ کا واقعہ بھی بیان کیا۔ وہ اس طرح ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم ادہمؒ جو شاہی محل میں اکیلے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے تو ایک شخص سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے دیکھا تو تعجب ہوا۔ آخر اس سے مخاطب ہوئے تو اس نے سوال کیا کہ بھائی یہ سرائے کس کی ہے؟ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے جواب دیا میاں یہ سرائے نہیں ہے یہ شاہی محل ہے سرائے تو مسافر خانہ ہوتا ہے۔ اس نے کہا تم سے پہلے اس میں کون رہتا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے والد تھے۔ پھر اس نے کہا اُس سے پہلے کون تھا۔ پھر جواب دیا کہ ان کے والد۔ پھر اس شخص نے کہا تو یہ سرائے ہی تو ہے اس میں بھی مسافر ٹھہر کر چلے گئے۔ اس گفتگو کے بعد وہ شخص غائب ہو گیا۔ اب حضرت ابراہیم ادہمؒ اُٹھے، اس کو تلاش کیا مگر پتہ نہ چلا۔ باہر دیکھا۔ دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ سب دروازے بند ہیں اور ملازم پہرہ دار موجود ہیں اور رات بھی نہیں بلکہ دن ہے۔ یہ کون تھا؟ کدھر گیا؟ اب تشویش بڑھ گئی اور اس کی گفتگو بھی زیادہ اثر کر گئی۔ بہت صبر کیا مگر صبر نہ آیا۔ آخر گھوڑے پر سوار جنگل کے طرف چلے گئے۔ دور جنگل میں بیٹھ کر سوچتے رہے کہ یہ کیا تھا؟ یہ کیا ہوا؟ کیا کرنا چاہیے؟ اب مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اب طبیعت بادشاہت سے

علیحدگی پر آ گئی۔ بہت کچھ حیلے کئے۔ سب نے سمجھایا مگر کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ آخر بادشاہت اپنے ایک معتمد کے حوالے کردی اور خود جنگل میں جا کر خدا کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

یہ قصہ اور اس کے درمیانی حالات بہت مشہور ہیں یہاں لکھنے سے مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ القصہ بہت مدت گزری لوگوں میں بادشاہت میں دوسرا سلسلہ ہو گیا۔ مدت کے بعد ایک دن اس نئے بادشاہ کا جلوس دریا کے پل پر سے گزرا۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار تھا۔ نہایت تزک و احتشام سے جلوس گزرا۔ بادشاہ نے گزرتے وقت دیکھا کہ دور دریا کے کنارے پر ایک شخص فقیر بیٹھا ہے۔ بادشاہ نے سمجھ لیا کہ یہ حضرت ابراہیم ادہمؒ ہی تشریف رکھتے ہیں۔ آبدیدہ ہوا اور دل کو تھام لیا اور آگے چلا گیا۔ جب ڈیرہ (کیمپ) میں پہنچے تو سب لوگ تو آرام کرنے لگے مگر بادشاہ پوشیدہ طور پر نکل کر دریا کی طرف آ گیا اور دور سے درویش کو دیکھ کر جوتی اتار دی اور آہستہ سے نزدیک جا کر بیٹھ گیا۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے نظر ڈالی تو اس کو پہچان لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابراہیم ادہمؒ نے حال پوچھا۔ اس نے معافی کی درخواست کر کے عرض کرنے کی اجازت طلب کی اور عرض کی کہ حضور نے دنیا کی بادشاہت چھوڑی اور درویشی اختیار کی اب اس دریا کے پل سے آپ کے غلام کی سواری گزری ہے۔ میں نے دیکھ کر پہچان لیا تھا اور بے تابی کو ہضم کر کے آ گیا۔ یہ خیال عرض کرتا ہوں کہ حضور جو کام کر رہے ہیں (اس وقت وہ اپنی گدڑی سی رہے تھے) یہ بھی تو دنیا ہی کا کام ہے۔ آپ نے ہنس کر فرمایا ہاں دنیا کا ہی کام ہے مگر کچھ فرق ہے۔ نزدیک آؤ۔ وہ نزدیک آ گیا تو آپ نے چھوٹی سی سوئی اس کو دکھائی اور فرمایا کہ اس کو پہچان لو اور پھر وہ سوئی دریا میں پھینک دی اور بادشاہ کو حکم دیا کہ دریا میں سے میری سوئی نکال لاؤ۔ اس نے عرض کی کہ حضور اس میں اگر ہاتھی گر جائے تو بھی پتا نہیں لگ سکتا، سوئی کا پتا کس طرح لگ سکتا ہے۔ پھر اُس کے سامنے آپ نے آواز دے کر مچھلیوں کو حکم دیا کہ میری سوئی نکال لاؤ۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد تمام مچھلیاں باہر آ گئیں اور ہر مچھلی کے منہ میں چمکیلی سونے کی ایک چیز تھی اور حضرت ابراہیم ادہمؒ کے سامنے حاضر تھیں۔ یہ واقعہ بادشاہ دیکھ رہا تھا پھر حضرت ابراہیم ادہمؒ نے حکم دیا کہ واپس لے جاؤ، میری سوئی جو لوہے کی ہے وہ لاؤ۔ چنانچہ سب واپس گئیں اور بعد میں ایک چھوٹی سی مچھلی آئی اس کے منہ میں وہی سوئی تھی۔ آپ نے پکڑ لی اور مچھلی واپس چلی گئی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم ادہمؒ نے فرمایا دیکھو جب میں اس بادشاہت میں تھا، آدمی میرا حکم مانتے تھے وہ بھی فوجی زور سے حکم منوائے جاتے تھے اب میں مالک کی غلامی میں آیا تو مالک نے ایسی بادشاہت دی ہے کہ ہر چیز میرا حکم مانتی ہے۔ حیوانات اور نباتات بلکہ ہر مخلوق حکم کے ماتحت ہے۔ اس وقت بادشاہ کی تشویش معدوم ہوئی اور اس نے مان لیا کہ واقعی اِس بادشاہت کے مقابلے میں وہ بادشاہت کچھ چیز نہیں ہے۔

حضرت مولانا روم نے اس قصہ کو نہایت عجیب پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔

## بادشاہت کو ترک کرنا

الغرض مجھے زیادہ عرصہ موہڑہ شریف میں مقیم رہنا پڑا۔ اس کے بعد ملک میں ملازموں میں بہت سخت اضطراب پیدا ہوا اور موہڑہ شریف جرگے آنے شروع ہوئے۔ ان لوگوں سے ایسی گفتگو کرنی پڑتی تھی جس سے یہ لوگ ناامید نہ ہو جائیں اور ملکی انتظام میں بھی خلل نہ آئے۔ مگر میں پیر صاحب (والدمؒ) کے حکم کے مطابق خاموش رہا۔ مگر نہایت تشویش بھی لاحق تھی۔ اب کس طرح کیا جائے؟ لوگوں کو بذریعہ اشتہار آنے سے منع کیا اور اپنے منتظم لوگوں کو اس ملک میں روانہ کیا نیز یہ امر بھی تعجب خیز ہوگا کہ جب حکومت کی طرف سے بندش ہو چکی اور خاص طور پر موہڑہ شریف میں بھی ایسے حالات پیدا ہو گئے میرا دل بادشاہت سے اُچاٹ ہو گیا اور اب میں بھی اس طرف جانے پر آمادہ نہ تھا۔ میں نے بادشاہت کو ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تو ان حالات میں اس کام پر مزید روپیہ خرچ کرنا درست نہیں تھا مگر اس وقت ملازمین کی دو ماہ کی تنخواہیں بقایا تھیں۔ چنانچہ میں نے حساب لگا کر پوری رقم اپنے نائب کے پاس ٹکری روانہ کر دی کہ لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ اس پر ہر شخص کو تعجب تھا۔ مگر میرا خیال یہ تھا کہ یہ تنخواہیں اور معاوضہ گزشتہ ایام کے متعلق ہونے کی وجہ سے بطور حق العباد میرے ذمہ تھا اس لئے ادا کر دیا گیا۔ اب عوام الناس پر اس کام کے کرنے سے نہایت غیر معمولی اثر ہوا۔ یوں تو پہلے بھی لوگوں پر نہایت عجیب اثر تھا جو رعیت یا ملازموں کو نہیں ہو سکتا بلکہ کسی عاشق اور شیدائی کو ہو سکتا ہے۔ جب ہم نے اقوام چغر زئی میں سلسلہ خبر رسانی قائم کیا تو ایک شخص مقرر کیا جو ضروری کاغذات وہاں پہنچاتا اور جواب لاتا۔ یہ ایک معزز، دلیر اور سمجھدار شخص تھا۔ ایک دفعہ یہ شخص موہڑہ شریف آیا تو کاغذات دے کر رخصت کیا تو ٹھہر گیا اور کہا کہ ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اور یہ بیان کیا کہ اس سے پہلی دفعہ جب میں گیا تو بلند کوٹ پہنچا تو سب لوگ جمع ہوئے کہ پیر صاحب کا حکم سنائیں۔ مگر ایک شخص بہت نزدیک ہوتا جاتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ میرے اتنے نزدیک کیوں ہوتے جاتے ہیں اور کیا دیکھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں تمہاری آنکھیں دیکھتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں کہ یہ وہ آنکھیں ہیں کہ جنہوں نے پیر صاحب کو دیکھا ہے اس لئے میں بار بار تمہاری آنکھیں دیکھتا ہوں اور یہ وہ ہاتھ ہیں جو پیر صاحب کے ہاتھوں سے لگ کر آئے ہیں۔ یہی حالت سب کی تھی۔ وہ ایک ایک بات کو کئی کئی دفعہ پوچھتے تھے اور شوق سے تذکرہ کرتے تھکتے نہ تھے۔ بلکہ اقوام نند ہاڑ کے ایک شخص کو گورنمنٹ برطانیہ کے ایک آفیسر نے کہا کہ تم پیر صاحب کو بُھلا دو اب تم گورنمنٹ سے معاملہ پیدا کرو۔ تو اس شخص نے جواب دیا کہ خدا کی قسم کہ اگر تم ہم کو قتل کر دو تو بھی جو قطرہ خون زمین پر گرے گا اس سے پیر صاحب کا نام لکھا جائے گا۔ اس سے زیادہ مت پوچھو۔ ایک دیشی قوم کا صوبیدار ہمارے نائب حکومت صفی اللہ صاحب کی چٹھی لے کر ایبٹ آباد آیا۔ میں نے دوسرے دن اس کو بلایا اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں کس خواہش سے آئے ہیں تو اس نے کہا کہ صرف

دیکھنے کے لئے آیا ہوں کہ دیکھ دیکھ کر اپنا دل خوش کرتا ہوں۔ خواہش صرف ایک یہ ہے کہ آپ سامنے موجود ہوں اور جنگ لگ جائے میں اس جنگ میں مارا جاؤں اور میرے بدن کے ذرے ذرے ہو جائیں اور یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہو۔ یہی میری تمنا ہے۔ نیز اقوام سادات کی مستورات نے روزے رکھنے شروع کر دیئے تھے کہ سلسلہ بہت جلدی تکمیل کو پہنچے۔

کچھ عرصہ کے بعد وہ لوگ جنہوں نے اس اسلامی حکومت کی مخالفت میں چالاکی اور عیاری سے جھوٹ بنائے وہ سخت خراب ہوئے۔ چنانچہ سر نواب عبدالقیوم خان صاحب وزارت سے خارج ہوئے اور ممبری سے خارج ہوئے۔ اس کے بعد ان کی وقعت جو دنیا کے بازار میں تھی وہ سب دیکھ رہے تھے۔ جو لوگ سخت تابع فرمان اور جاں نثار تھے وہی ان کو ذلیل اور خوار سمجھتے تھے۔ گورنمنٹ ان کو کھوٹے روپے کی طرح پھینکتی تھی۔ اس وقت پھر میں ( **نظیر احمد** ) ہی تھا جو ان کی داستان غم سنتا تھا مگر افسوس کہ اس رنج و ملال اور دنیا و اہل دنیا کی بے وفائی کی شکایت کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ایک اور صاحب جو بلاوجہ مخالف پارٹی بنانے کے لئے علاقہ غیر میں کوشش کرتے تھے اور ناکام ہو کر بھی مخالفانہ کوشش ہی میں سرگرداں تھے وہ جس برادری میں اپنی معتبری اور اثر کے خواہاں تھے اسی میں وہ جزام کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور کسمپرس ہوئے۔ سب طرف سے روگرداں اور محروم ہو کر راولپنڈی میرے پاس آئے اور معافی مانگی اور میری چٹھی لے کر موہڑہ شریف دعا اور معافی کے لئے گئے۔ مگر افسوس، ندامت، جزام اور ناکامی کی حسرت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ایک تیسرا شخص صاحبِ اقتدار تھا۔ وہ ہمیشہ مخالفت میں بندوق تیار رکھتا تھا۔ اس کی بندوقیں موجود تھیں تو لوگوں نے اس کو مار کر تباہ کر دیا اور تمام سرمایہ اور اثاث البیت تک لوٹ کر لے گئے اور اس کی حقیقت جس پر ناز تھا یا جو چیز مخالفت کے لئے تیار رکھی تھی وہ ختم ہو گئی اور بصد افسوس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

## مسجد شہید گنج لاہور کا تنازع

اس کے بعد لاہور میں ایک مسجد کے متعلق تنازع پیدا ہو گیا۔ اس کو مسجد شہید گنج کہتے ہیں۔ اس تنازع میں بے شمار مسلمان اور ہندو فنا ہوئے۔ یہی نتیجہ نہیں نکلا بلکہ یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک سو برس انگریزوں کی حکومت ہندوستان میں گزری تھی ہندو اور مسلمان کو انگریزوں کے عمل کی سمجھ نہیں آئی۔ بڑے اعلیٰ سرمایہ دار، پرانے ملازم اور تعلیم یافتہ صاحب اقتدار اس حماقت میں سرگرداں تھے کہ ہم حکومت سے اپنی قابلیت اور اپنی متفقہ طاقت سامنے کر کے

یہ مسجد حاصل کرلیں گے۔ گویا یہ ایسا دنگل تھا جس میں ہندو، مسلمان اور سکھ اپنی اپنی طاقت سے دنیا کو واقف کرنے میں مصروف تھے اور جہلا اور سادہ لوح لوگوں نے جن کی روح مسلمان تھی جب یہ سنا کہ مسجد خدا کا گھر ہے اور سکھ اس پر قابض ہیں اور یہی موقع ہے کہ انسان اپنی جان کو فنا کر کے مسلمانی کا ثبوت دے اور خدا کے گھر کو دشمنوں سے چھڑا دے تو خدا خوش ہوگا۔ (نہایت افسوس اس امر کا ہے کہ ایسے لوگ جو سادہ لوح پختہ مسلمان تھے ان کو غلط راستے میں فنا کیا گیا۔ ان لوگوں کا خون ان لوگوں کی گردنوں پر ہے جنہوں نے ان کی جہالت کی وجہ سے غلط راستہ پر چلا کر ایمان کی طمع سے فنا کیا۔ یہ لوگ قیامت میں شرمندہ ہوں گے اور مجرم ہوں گے) اور وہ لوگ شہیدوں میں شمار ہوں گے کیونکہ محض خدا کی رضامندی کے لئے جانیں دے دیں۔ ایسے لوگ اپنے سادہ خیال کے موافق خدا دوست ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کو وہ چرواہا جنگل میں ملا تھا جس نے خدا کی محبت میں یہ گفتگو کی کہ یا اللہ میں تیرا عاشق ہوں کبھی تو میرے گھر آ جائے تو یہ بڑا بکرا تیرے واسطے ذبح کروں اور کباب بنا بنا کر تجھے کھلاؤں اور مجھ کو سخت افسوس ہے کہ تیرے پاؤں سے کنڈے (خار) کس نے نکالے ہوں گے میں وہ خود نکالوں، تیرے بالوں میں کنگھی کس نے کی ہوگی وہ میں خود ہی کنگھی کروں۔ کبھی تو میرے پاس آ۔ اس اثناء میں حضرت موسیٰؑ تشریف لائے۔ گفتگو سن چکے تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے بہت غصہ میں آ کر اس کو ان باتوں سے منع کیا اور اس خیال سے منع کیا اور کہا کہ خدا ایسا نہیں ہے یہ تو کفر بکتا ہے اور خدا اس سے ناراض ہوتا ہے چنانچہ وہ خاموش ہو گیا اور ڈر گیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ خدا کے ساتھ ہم کلام ہونے کے لئے مقررہ جگہ تشریف لے گئے تو جناب بارگاہِ الٰہی سے عتاب نازل ہوا اور سرزنش ہوئی کہ اے موسیٰ تو پیغمبر ہے اور تو ہمارے دوستوں کو ہمارے ساتھ ملانے کے لئے آیا ہے نا کہ ہمارے دوستوں کو ہم سے جدا کرنے کے لئے آیا ہے۔ حضرت مولانا رومؒ نے اشعار میں بہت عمدگی کے ساتھ یہ بیان فرمایا۔

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

یعنی تو ملانے کے لئے آیا ہے نہ کہ جدا کرنے کے لئے آیا ہے"

القصہ خدا تعالیٰ اعلیٰ الفاظ اور ادائیگی، طرز عمل اور شکل وصورت کو نہیں دیکھتا بلکہ دل کو دیکھتا ہے۔

**اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ** (الحدیث)

"خدا تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا نہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے"

یہ تحریر بامعنی اس امر کے اظہار میں ہوگئی کہ جو خدا کی طرف متوجہ ہو کر محض خدا کے لئے قتل ہوئے وہ خدا کے دوست تھے۔ اگرچہ قتل کرانے والے منافق تھے اور قتل کرنے والے کافر تھے۔

چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ایک شخص نے عین اس معرکہ جنگ میں گورے سپاہی کی طرف اشارہ کیا اور اس کو آواز دے کر کہا او گورے! میں ہوں جو مسجد کے لئے جان قربان کرنے آیا ہوں۔ یہ کہہ کر انگلی سینے پر لگا کر کہا گولی اس جگہ پر لگاؤ۔ چنانچہ گورے نے فوراً گولی اسی جگہ لگائی اور وہ شہید ہو گیا۔

ہر شخص جس کے وجود میں نورِ ایمان ہے اس شخص پر کیا خیال کرے گا کہ کس جوشِ محبت میں اس کی جان نکلی۔ اب مسلمان اس جوش میں ہیں کہ مسجد کے لئے سب کچھ قربان نہ کریں تو اسلام گیا، مسلمانی نابود ہو گئی۔ ہندو سکھ اس جوش میں ہیں کہ اگر مسلمان جیت گئے اور مسجد لے گئے تو ہمارا جینا فضول ہے، یہی تو وقت ہے اسی ہار جیت میں قوم کی زندگی کا قیام وثبات ہے۔ ہر دو قومیں مرنے کے لئے میدان میں آ گئیں۔ سینکڑوں برس کے تعلقات دوستانہ فنا ہو گئے۔ ہمیشہ کے لئے اختلافات قائم ہو گئے۔ اس وقت سے لے کر آج تک دونوں قومیں جوش میں ہیں۔ ہزاروں روپے خرچ کر کے وکلاء کی بحث تیار ہوتی تھی۔ گورنمنٹ سے رسوخ آزمایا جاتا تھا۔ تو کیا ہوا اس کی حقیقت کیا ہے۔ افسوس کہ کسی قومی لیڈر یا مولوی یا پیر نے اس کی ماہیت کو نہ سمجھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بصیرت سیاسی موجود نہ تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ گورنمنٹ کو یہ علم اور یقین نہ تھا کہ یہ کام اس قدر قیمتی ہوگا جس کے لئے کروڑوں روپے گورنمنٹ کو خرچ کر کے بھی خریدنا ارزاں تھا۔ گورنمنٹ کو ہر وقت اس چیز کی تلاش ہے کہ جو چیز مسلمان، ہندو اور سکھ میں اختلاف پیدا کرے اور اس قدر چیز مل گئی کہ دونوں قومیں جان و مال قربان کر دیتی ہیں اور اصل مدعا امید سے زیادہ پورا ہو گیا کہ دائمی اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو گیا۔ اس لئے اس چیز کو غیر مترقبہ نعمت سمجھ کر گورنمنٹ نے اس کی حفاظت کی کہ کسی طرح یہ فساد جلدی ختم نہ ہو۔ دونوں قوموں کو تیز کرنے کے طریقے استعمال ہوتے رہے۔ مگر دونوں قومیں بے معنی ثابت ہوئیں۔ دونوں قوموں میں وہ مادہ موجود ہے جو دوسرے کی حکومت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

## جنرل وگرم (Vigrim)

جب لاہور میں ہندو، سکھ اور مسلمانوں کا جھگڑا جاری ہو چکا اور معقول وجہ پیدا ہو گئی تو نندہاڑ علاقہ غیر کے ان لوگوں نے گورنمنٹ پر حملہ کر دیا جو ہمارے تعلق میں تھے اور ان کے پاس بندوقیں وغیرہ بھی ہماری ہی تھیں۔ ان لوگوں نے انگریزی حکومت کے ایک سو پچیس مربع میل کے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور قتلِ عام شروع کر دیا بلکہ **بٹل** کے شہر کو تباہ کر دیا۔ غلام حسین خان رئیس انگریزی کو بھی قتل کر دیا اور مسلسل لشکر کوہستان تک اس غزا میں شریک ہو رہے تھے۔ یہ جہاد کرنے کے لئے سید فرمان شاہ کو امیر لشکر بنا کر لائے تھے کیونکہ علماء کے فتویٰ کے مطابق امیر لشکر کے بغیر جہاد جائز نہ تھا۔ انگریزی فوج ''اگرور، اوگی'' میں جمع ہوئی پہلے بریگیڈیر ہاؤسٹن وہاں مقرر ہوئے۔ بہت سے انگریز آفسرز کے علاوہ راجہ حیدر زمان صاحب آف خانپور نواب تنول ومحمد اسلم خان آف گڑھی اور نیز جملہ رؤسا ہزارہا جنگی امداد کے لئے

پہنچے مگر جنگ میں علاقہ غیر کے لوگ ہی غالب آتے رہے۔ اس کے بعد بریگیڈیر لین کو روانہ کیا گیا۔ جنرل آفیسر کمانڈنٹ ناردرن کمانڈ جنرل وگرم نے ان کو مدبر سمجھ کو وہاں لگایا مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے پنجاب کے گورنر مسٹر ایمرسن اور جنرل وگرم ناردرن کمانڈر کو زیادہ تشویش ہوئی۔ انہوں نے باہمی مشورہ کیا اور تحقیق سے معلوم کیا کہ یہ لوگ پیر **نظیر احمد** کے تابع فرمان ہیں۔ اس لئے اس معاملے کو ان کے ذریعے حل کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ڈپٹی کمشنر راولپنڈی مسٹر کنگ کو بلایا۔ یہ بہت شریف اور نیک سیرت انسان تھے اور مدبرانہ دماغ رکھتے تھے۔ چنانچہ مسٹر کنگ راولپنڈی سے خود مجھے مری لے آئے اور وجہ یہ بتائی کہ صرف دس منٹ کے لئے آپ کو جانا ہے۔ وہاں آپ کی چائے کی دعوت ہے اور دعوت قبول کرنی چاہیے اور اعلیٰ آفیسر آپ کی دعوت کے منتظر ہیں۔ چنانچہ میں ان کے ہمراہ گیا۔ چائے وغیرہ کا پرتکلف انتظام تھا۔ جنرل وگرم اور دوسرے اعلیٰ آفسر ان استقبال کو پیش ہوئے۔ بہت عزت کی۔ گفتگو کے بعد مجھے کہا کہ **بٹل** کے لوگ جو لڑائی کر رہے ہیں یہ سب آپ کے تابع فرمان ہیں آپ ان کو منع کریں یہ جنگ زیادہ بڑھ جائے گی اور خطرناک صورت ہوسکتی ہے۔ ہم کو بہت تکلیف ہے کیونکہ دوسری طرف انگوری کی جنگ آفریدی قوم کر رہے ہیں۔ میں نے عذر کیا کہ ممکن ہے کہ جنگ میری چٹھی سے بند ہو جائے مگر یہ امر یقینی ہے کہ جنگ بند ہونے پر فیصلہ ہوگا کہ یہ جنگ پیر **نظیر احمد** نے ہی کرائی تھی۔ اس کا وبال بھی مجھ پر آئے گا حالانکہ میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ اس پر تقریریں ہوئیں میں نہ مانا۔ آخر مسٹر کنگ نے کہا کہ میں ضامن ہوں۔ اس پر گورنر اور جنرل وگرم نے وعدہ کیا کہ اب ''صوفی کل'' کے لئے امداد دیں گے اور آپ کے لئے لاکھوں روپیہ کی امداد ہوگی اور صوفی کل کی تجارت جو جنگل کی ہے اس کا محصول جو تعذیری لگایا گیا تھا، وہ معاف ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے ان کے روبرو صفی اللہ کو بذریعہ تار بلایا۔ میں نے کہا میرا معتمد اعلیٰ صفی اللہ ہی وہاں جائے گا اور لوگوں کو پیغام دے گا۔ چنانچہ صفی اللہ صاحب آئے اور میں نے ایک چٹھی تحریر کر کے اس کو دے دی کہ یہ چٹھی وہاں پہنچاؤ۔ ڈپٹی کمشنر نے حسب مشورہ افسرانِ بالا یہ صورت مزید کی کہ ایک شخص نواب صاحب رئیس آف باگڑیاں کو اپنی طرف سے اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ یہ آدمی دوسرے دن وہاں پہنچے اور قوم کو چٹھی دکھائی اور پیغام دیا۔ چنانچہ اقوام نے لڑائی فوراً بند کر دی اور سب جرگے جمال بابا صاحب کی زیارت میں جمع ہوئے اور لڑائی سے دست بردار ہو گئے اور سید فرمان شاہ امیر لشکر سے دستاویز تحریر کرائی گئی۔ لڑائی ختم شد۔

اب اطلاعات جاری ہوگئیں۔ اس معاملہ میں میاں شاہنواز صاحب اور ملک ناصر الدین صاحب صلح کرانے میں کوشش کرتے رہے کہ ہم کو بار بار زور ڈالتے رہے اور ایمرسن گورنر کی خدمت میں چٹھیاں لکھتے رہے۔ القصہ گورنر گریفتھ نے گل محمد کو مبارک بادی کی تار دی اسی طرح دوسرے افسروں نے مجھے تاریں اور مبارک بادیاں دیں۔

اب صلح کی مسل میرے پاس آئی جو مسٹر کنگ کو روانہ کی گئی۔ انہوں نے ترجمہ کرا کر تصدیق کر کے حکومت کو روانہ کر دی چونکہ مسل میرے پاس آئی تھی اور میرے آدمی نے صلح کرائی اور لڑائی بند کرائی اس لئے پولیٹیکل ایجنٹ کو سخت رنج ہوا اور حکومت کو اپنی کاروائی دکھانے کے لئے قسما قسم کی بناوٹی باتیں بنائیں۔

اس اثناء میں فوجی Intelligence (فوجی خفیہ پولیس) والے اعلیٰ حکام کو اطلاعات دیتے رہے کہ یہ لڑائی **پیر نظیر احمد** صاحب نے کرائی ہے اور اب ان کے حکم سے صلح ہو گئی ہے اور ابھی تک دلہوڑی میں ان کے آدمی فائرنگ کر رہے ہیں۔ اب ڈائریکٹر جنرل خفیہ پولیس کو اس امر کا یقین ہو گیا اور ڈپٹی کمشنر ہزارہ اور جنرل وگرم کو تار آ گئے کہ جس قدر جلد ممکن ہو پیر **نظیر احمد** کو نظر بند کر لیا جائے۔ یہ خبر سکندر مرزا نے مجھے خود آ کر سنائی اور قاضی فضل الرحمٰن صاحب نے بھی یہی بتایا۔ اب کنگ صاحب حیران تھے۔ چنانچہ تمام مسل ترجمہ کر کے ٹائپ شدہ اور اپنی رپورٹ شامل کر کے جنرل وگرم کے پاس بھیجی۔ میری طرف سے قاضی صاحب گئے۔ جنرل وگرم حد سے زیادہ بگڑ گئے تھے انہوں نے صاف کہا کہ اب گورنمنٹ اسی فکر میں ہے کہ پیر **نظیر احمد** صاحب کو جلد از جلد فوجی طاقت سے اپنی حراست میں رکھ لیا جائے اور یہ کاروائی کل عمل میں آئے گی۔ اب کوئی چارہ نہیں ہے۔ گورنر نے بھی اسی حکم میں شامل ہو کر آرڈر کئے ہیں۔

اب قاضی صاحب نے آ کر مجھ کو غم ناک کر دیا مگر چونکہ اس سے قبل بہت تکالیف گزر چکی تھیں ان کا علاج خدا خود کرتا رہا اس لئے اسی مالک کے پاس پناہ حاصل کی گئی اور استغاثہ پیش کر دیا اور دل میں اطمینان ہو گیا کہ ؎ مولا داریم پرواہ نہ داریم۔ کئی دوست آ کر مشورہ دیتے تھے بلکہ ڈپٹی کمشنر کنگ اور ان کی لیڈی صاحبہ گورنر کے پاس خود چلے گئے اور گورنر کو سمجھایا مگر وہ ان اطلاعات کو غلط نہیں مانتے تھے البتہ کچھ لحاظ کرنے پر مائل ہوئے مگر حکم منسوخ نہ ہوا۔ اب صبح کا انتظار تھا۔ صبح ہوئی طبیعت مطمئن تھی کہ مالک الملک کی طرف سے جو آئے گا وہی منظور ہو گا۔ دوسرے دن شام تک کچھ پتہ نہ چلا۔ ہمارے پتہ لگانے پر کچھ معلوم نہ ہوا۔ گوجر خان بھیگالی گجر کا ایک شخص جنرل وگرم کا بیرا یا اردلی تھا۔ اس سے قصہ معلوم ہوا کہ جنرل وگرم کے لئے وہ بیڈ۔ ٹی (صبح کی چائے) لے کر گیا مگر جنرل صاحب بستر پر نہ تھے چائے میز پر رکھ کر آ گیا۔ تھوڑی دیر گزرنے پر پھر گیا تو دیکھا کہ چائے موجود ہے لیکن وہ خود نہیں ہیں۔ پھر اِدھر اُدھر سب طرف دیکھا۔ کمروں میں دیکھا۔ غسل خانے میں دیکھا مگر ادھر بھی نہ تھے۔ اب ملٹری پولیس اور دوسرے ملازموں کو علم ہوا۔ سب تلاش میں لگ گئے۔ تعجب ہے کہ جنرل وگرم رات کو سوئے۔ باہر پہرہ گورے لوگوں کا کھڑا ہے اندر سب بندوبست حسب معمول درست ہے تو صاحب بہادر کہاں ہیں؟ الغرض آج سارا دن ان کی تلاش میں بھاگ دوڑ جاری رہی اور اب تک جنرل صاحب کا پتہ نہیں لگا کہ کہاں ہیں اور کہاں گئے ہیں۔ قصہ ختم شد۔ غم نیز ختم

شد۔ **سبحان اللہ ونحمدہ و نستعینہ**۔ کچھ عرصہ تک جنرل صاحب کی کسی کو خبر نہ لگی۔ آفیسر لوگوں نے یہ سارا معاملہ پوشیدہ رکھا۔ بعد میں سنا گیا تھا کہ جنرل وگرم سے حکومت کا معاملہ ناانصافی کا ہوا اور وہ رنجیدہ ہو کر خاموشی سے چلے گئے۔ اس سے زیادہ خبر نہ لگی۔ **واللہ اعلم بالصواب**

ان کی جگہ جنرل کالرج نار درن کمانڈ مقرر ہوئے جو پہلے بھی رہ چکے تھے۔

**''مارن والے موئے محمد قدرت رب دی ہوئی''** یہ مصرعہ حضرت میاں محمد بخش صاحب نے اپنی کتاب ''سیف الملوک'' میں ایک فاختہ کے قصے کے تحت لکھا۔

## فاختہ کا شکار

وہ قصہ اس طرح ہے کہ ایک دن ایک شکاری شکار کے لئے جنگل میں گیا۔ پھرتا رہا کوئی شکار نہ ملا۔ تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ تیر کمان ہاتھ میں تھی کہ دیکھتا ہے کہ اسی درخت پر پتوں بھری ٹہنی پر ایک فاختہ بیٹھی ہوئی ہے۔ اب اس کو طمع پیدا ہوئی کہ یہ فاختہ ہی شکار کرلوں اور اس پر تیر چلانے کی تیاری کی۔ فاختہ نے اس کی حرکت معلوم کر لی اور اُڑ کر بھاگنے کا ارادہ کیا تو کیا دیکھتی ہے کہ سر کے اوپر کی طرف ایک باز اُڑ رہا ہے اور باز نے اس فاختہ کو دیکھ لیا ہے۔ اب باز اسی انتظار میں ہے کہ فاختہ اڑے تو وہ جھپٹ کر اسے پکڑے اور کھا جائے۔ اب فاختہ عجیب غم میں مبتلا ہوئی۔ اگر اڑتی ہے تو باز پکڑتا ہے اور تھوڑی دیر بیٹھتی ہے تو شکاری کا تیر لگتا ہے۔ آخر خدا ہی کی طرف التجا کی۔ قدرتِ خدا ہوئی کہ شکاری ٹھیک طرح سے شست لگا کر تیر چلانے ہی والا تھا کہ ایک دم نیچے سے ایک سانپ نے اس کے پاؤں پر ڈنگ مارا۔ شکاری کا ہاتھ لرز گیا اور تیر چھوٹ کر باز کو جا لگا۔ اوپر باز تڑپ کر زمین پر آ گرا اور اِدھر شکاری کی جان نکل گئی۔ فاختہ اپنی جگہ پر محفوظ بیٹھی رہی۔

''مارن والے موئے محمد قدرت رب دی ہوئی''

القصہ میں نے لوگوں کو بہت طریقے استعمال کر کے صبر اور سکون کی تعلیم دی۔ مگر بہت مشکل تھا کہ اس قدر عظیم الشان کامیابی کے بعد یہ کام چھوڑ کر لوگ اس کام سے دستبردار ہو کر بیٹھ جائیں۔ قسم قسم کے فتنے اور افواہیں پیدا ہو رہی تھیں۔ لوگوں کو سمجھایا اور امید دلائی مگر یہ مصروفیت بھی حد سے زیادہ ہوگئی۔ جن لوگوں نے اس قدر کوشش اور محنت کر کے یہ کام سرانجام دیا تھا ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی۔ آخر ان حالات سے تنگ آ کر گھر کو چھوڑ کر سرہند شریف کی طرف چلا گیا۔

## سرہند شریف کی حاضری

جب وہاں پہنچا تو اس قدر دل میں امن اور اطمینان ہو رہا تھا۔ بادشاہانِ مغلیہ کا خاتمہ اور عالی قدر نائبِ رسول ﷺ حضرت مجدد الف ثانیؒ جن کے لئے عالمِ ملکوت تک روشنی پہنچی وہ سب خاک میں سوئے پڑے ہیں۔ ''تخت والوں کا پتہ دیتے ہیں گور کے تختے''۔ جن کے محلوں میں ہزار رنگ کے فانوس تھے اب ان کی قبروں پر سوائے خاک اور دھول کے کچھ بھی نہیں۔ دل کو ان کی ہر داستان تعلیم دے رہی تھی میرے ساتھ چھ آدمی اور بھی تھے یہ بہت صوفی، سمجھدار اور عابد اشخاص تھے۔ موسم گرمی کا تھا۔ ان لوگوں سے مشورہ کیا کہ ہر روز زیارت شریف پر جاروب کشی کا کام کرنا چاہیے۔ سب گلی کوچے جھاڑو دینا یہ اپنا کام رکھو اور ہمیشہ یہاں ہی رہیں گے۔ یہ ارادہ ممکن ہو گیا۔ اب دوسرے دن میرے آدمی نے بے وقوفی سے جاروب کش سے جھاڑو مانگا۔ وہ سخت غضب ناک ہو گیا۔ مجھ کو معلوم ہوا تو میں نے اپنے آدمی کو ملامت کی کہ تمہاری غلطی ہے۔ یہاں پیر کا دربار ہے۔ جھاڑوؤں سے جھاڑو کرنا تو مہتروں کا کام ہے۔ یہاں تو داڑھیوں سے اور ناک سے جھاڑو ہم کو دینا چاہیے۔ سب خوش ہوئے اور یہی طریقہ اختیار کیا۔ فقیر صاحب شینکیاری بہت اہل باطن تھے وہ اس پر بہت خوش تھے۔ اس طرح کرتے رہتے تھے اور بدن پر مٹی لگتی رہتی تھی غسل کر لیا کرتے تھے مگر کپڑے وغیرہ زیادہ مٹی سے میلے ہو گئے تھے۔ ایک دن دربار میں ایک صاحبزادی صاحبہ چھوٹی فوت ہو گئی تو لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ ہم بھی شامل ہوئے۔ گدی نشین محمد صادق صاحب تھے۔ یہ بھی حلقۂ مریدان میں بیٹھے تھے اور ایک ان کے بھائی ولایت شاہ صاحب نواب مالیر کوٹلہ کے وزیر تھے وہ بھی آئے ہوئے تھے۔ جبکہ میں شملہ میں رہا کرتا تھا تو نواب مالیر کوٹلہ ان کو روزانہ میرے پاس روانہ کرتے تھے اور بڑے طبقہ کے لوگوں کی ملاقات کے لئے سیسل (Cecil) ہوٹل میں کمرہ کا بندوبست کر رکھا تھا مگر رہائش مسلم ہوٹل میں تھی۔ کپڑے خراب اور بدن پر مٹی لگی ہونے کی وجہ سے ولایت شاہ نے بہت دیر کے بعد مجھے پہچانا اور حالات پر تعجب کیا اور شور مچا دیا۔ سجادہ نشین صاحب کو ملامت کی کہ تم نے ان کی خاطر نہیں کی۔ میں نے بہت منع کیا مگر قابو نہ رہا۔ آخر ان کے ذریعے سے سجادہ نشین صاحب کو ہماری واقفیت ہو گئی اور سجادہ نشین صاحب نے میمن بنگلہ کو صاف کروا کر فرنیچر قیمتی ڈلوایا اور پلنگ بچھوائے اور پلاؤ بریانی اور عمدہ کھانے پکانے لگ گئے۔ میں نے ولایت شاہ کو زور سے کہا کہ دو ہفتے میرے یہاں بہت امن اور اطمینان سے گزرے اور اب مجھ کو یہاں سے تم نہ نکالو مگر اس نے ایک نہ مانی۔

آخر رات کو ولایت شاہ صاحب نے سب کو کھانا کھلا کر سونے کا حکم دیا اور خود جا کر سو گئے۔ میرے ہمراہی بھی سو گئے۔ مجھ کو تبدیلی پر سخت رنج تھا۔ میں نصف رات کو اٹھا اور سب سامان کپڑے وغیرہ بکسوں میں ڈال کر بکس اور چابی ولایت شاہ کے اردلی کو دے دی کہ یہ سامان تمہارے حوالے ہے جس کو چاہو دے دو۔ میں ایک پاجامہ، ایک قمیض اور

ایک جوتی پہن کر جنگل کی طرف چلا گیا اور دل میں ارادہ کیا کہ اب ہمیشہ پھر جنگل میں رہوں گا۔ جس طرح پہلے وقت گزارا ہے۔ رات کو نکل کر روپڑ کی طرف جنگل میں چل دیا۔ بہت دور تک گیا مگر اس جنگل میں درخت چھوٹے اور خاردار تھے۔ بڑی دقت محسوس ہوئی۔ پھرتے پھراتے واپس ہوا، دیکھا کہ جنگل میں ایک ٹوٹی مسجد ویران پڑی تھی۔ اس میں بیٹھ گیا اور نماز پڑھی۔ رات آخر تھی، چپکے بیٹھا تھا اور بے جان تھا۔ حیران تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ یہاں دربار شریف سے بھی نکالا گیا، اب کہاں جاؤں۔ اس جنگل میں بھی رہنا مشکل ہے۔ ایسی باتیں دل میں سوچتا تھا تو ایک ریل گاڑی اس جنگل کی طرف آئی۔ سخت تعجب ہوا کہ جنگل میں ریل کیوں آئی۔ کوئی اسٹیشن وغیرہ اور پٹری معلوم نہیں ہوتی۔ آخر بلا ارادہ مسجد سے اتر کر ریل گاڑی کی طرف چل پڑا اور خیال یہ پیدا ہوا کہ اگر یہ گاڑی لاہور کو جائے تو میں لاہور چلا جاؤں۔ آگے جا کر معلوم ہوا کہ گوروانگہ صاحب کے صاحبزادے کی یہاں زیارت ہے اس لئے جنگل میں ایک سال کے بعد گاڑی آتی ہے اور سب سکھ ہی سکھ اس گاڑی سے نکلے۔ وہاں زیارت پر سلام کر کے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ میرے دل میں خیال یہ تھا کہ میں نے سب سامان وغیرہ چھوڑ دیا اگر اس وقت میرے پاس پیسے ہوتے تو میں اس گاڑی میں بیٹھ جاتا۔ یہ خیال بھی تھا مگر گاڑی کی طرف جاتا بھی تھا۔ جب گاڑی کے نزدیک پہنچا اور گاڑی روانگی پر تیار تھی تو ایک شخص پاکیزہ صورت مسلمان نے مجھ کو ٹکٹ دے دیا اور دس روپیہ بھی دیا۔ میں فوراً گاڑی میں سوار ہو گیا۔ اسی حیرت میں لاہور پہنچا۔ وہاں عبدالقادر صاحب کے مکان پر گیا۔ غسل کیا، لباس تبدیل کیا۔ ظہر کی نماز پڑھ کر لیٹا۔ کتاب ''حصن حصین'' پڑھتے پڑھتے سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص زور سے منادی کر رہا ہے اور یہ منادی کرتا ہے کہ ''حضرت شیر شاہ غازی نے انگریز حکومت کو فنا کر دیا''۔ تین دفعہ پکارا۔ اس کے بعد میں جاگ گیا اور پنسل لے کر یہ خواب لکھ دی۔ یہ 1936ء کا واقعہ ہے۔

## انگریز حکومت کی فنا

چنانچہ اس کے بعد 1939ء میں انگریزوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ انگریزوں کو ہر طرف فتح ہو رہی تھی۔ دشمن حکومتیں انگریزوں سے لڑ کر ہار گئیں۔ برطانیہ حکومت فتح یاب ہو گئی۔ خواب بھی یاد تھا اور حالات کو دیکھ کر تعجب بھی ہوتا تھا۔ آخر برطانیہ نے جب دشمن حکومتوں کو پامال کر کے شہنشاہیت کا درجہ حاصل کر لیا تو خدا نے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اسے ہندوستان سے باہر رکھ دیا۔ جس طرح کوئی چیز کسی عارضی وقت کے لئے یہاں رکھی ہوئی تھی۔ گویا مالک نے برطانیہ کو کسی حکومت کے ذمہ نہیں لگایا بلکہ اپنی قدرتِ کاملہ اور غیر مرئی طاقت سے حکومت برطانیہ کو 1947ء میں اٹھا کر ملک سے باہر پھینک دیا۔ معلوم ہوا کہ جس نے رکھی تھی اسی نے نکال دی۔ دل کی تشویش کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

نہ یوسف ماند نے یعقوب باقی
نہ ماند کس بجز ذاتِ خداوند

## معروضاتِ مؤلف

غوث المعظم اعلیٰ حضرتؒ نے اپنی سوانح حیات (حصہ دوئم) میں صراحت سے بیان کیا ہے کہ علومِ دین کے حصول کے دوران ہی یہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ **اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿البقرۃ:143﴾** ''اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بڑا مہربان اور صاحبِ رحمت ہے'' اور اس نے اپنی مخلوق کی خاطر کائنات کا یہ سارا نظام قائم کیا ہے۔ اس لئے مخلوقِ خدا کی خدمت ہی سب سے بڑی عبادت ہے اور سب سے بڑی خدمت خالق اور مخلوق کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑنا ہے اور قربِ الٰہی کے حصول کا بہترین ذریعہ یہی ہے۔

انہی ایام میں ہندوستان میں مسلمانوں کے مجموعی حالات پر غور کیا تو واضح ہوا کہ ہندو اقوام کے مقابلے میں وہ زبوں حالی کا شکار ہیں۔ اگرچہ انہوں نے ہندو اقوام پر ایک ہزار سال تک حکومت کی ہے لیکن ان کے موجودہ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دینی حالات دگرگوں ہیں۔ رسمی طور پر تو وہ مسلمان کہلاتے ہیں مگر عمومی بے حسی اور مایوسی میں گرفتار ہیں۔ مخالفینِ اسلام ان کو ذلیل وخوار کرنے کے درپے ہیں اور ان کے خلاف ہر طرح کی سازشیں کر رہے ہیں۔

دریں حالات یہ جذبہ بیدار ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے مالک کی طرف متوجہ کیا جائے اور کسی طرح قرونِ اولیٰ کی روحانیت کا اثر ان میں پیدا کیا جائے۔ اگر وہ پورے طور پر شعوری مسلمان ہو جائیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دوبارہ سب پر حاکم ہو جائیں گے۔ کیونکہ کامل مسلمان کے اندر خدائی طاقت کارفرما ہوتی ہے اور وہ کسی غیر کا غلام نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

**وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿آل عمران:139﴾**

''اور اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے''

چنانچہ 1925ء کے بعد یہ طے کیا گیا کہ ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کی جائے جس کو تبلیغ اسلام کا مرکز بنایا جائے اور مخالفین اسلام سے جہاد کیا جائے۔ لہٰذا مانسہرہ سے گلگت اور ہنزا کے وسیع وعریض علاقہ میں جہاں آزاد اقوام نند ہاڑ، سنکڑی، آلائی اور کوہستان کے علاقہ کے آزاد قبائل جہاں پر غوث الامتؒ اور خود اعلیٰ حضرت پیر نظیر احمدؒ کا خاصا اثر تھا اس علاقہ میں مجوزہ آزاد ریاست کی کاروائی شروع کی جائے۔ چنانچہ یہ کاروائی شروع کی گئی۔ اور کئی سال کی محنت اور تگ و دو کے بعد ایک آزاد اسلامی ریاست (بنام نصرتِ اسلام) کا مکمل انتظام ہو گیا۔ مگر چند واقعات (خصوصی طور پر حضرت غوث الامتؒ کے حکم کے مطابق) مجوزہ ریاست کی کاروائی کو 1935ء میں از خود ترک کر دیا۔ غوث الامتؒ کا حکم تھا کہ اس دنیاوی بادشاہت کے مقابلے میں طریقتِ حقہ کی تعلیم وتربیت کی خدمت کو جاری رکھنا بہت زیادہ اہم اور

افضل کاروائی ہے۔ چنانچہ اسی خیال کے پیشِ نظر حضرت پیر نظیر احمدؒ نے ہندوستان کے دورے کئے اور مسلم رؤسائے ریاست سے ملاقاتیں کیں اور فروری 1940ء میں قائداعظمؒ سے بھی ایک خصوصی ملاقات کی۔

حضرت غوث الامتؒ کا وصال نومبر 1943ء میں ہوا اور انہوں نے اعلیٰ حضرت پیر نظیر احمدؒ کو اپنا سجادہ نشین مقرر فرمایا۔ چند ضروری وصایا فرمائیں جن پر اعلیٰ حضرتؒ تاحیات کاربند رہے۔ ان وصایا میں سے ایک اہم وصیت یہ فرمائی کہ صاحبزادگان آپ سے مخالفت کریں گے وہ کم سمجھ ہیں آپ ان پر مہربانی کرنا۔ چنانچہ حالات نے ثابت کر دیا کہ صاحبزادگان نے مجموعی طور پر محض خاندانی رقابت کی بنا پر اول روز سے ہی مخالفت شروع کر دی۔

جناب پیر نظیر احمدؒ نے باوجود مخالفت اور مشکل حالات کے دو سالانہ عرس شریف (1944ء، 1945ء) موہڑہ شریف میں منعقد کیے۔ مگر شدتِ مخالفت کے باعث 1946ء کا سالانہ عرس شریف راولپنڈی میں منعقد کیا۔ اس عرس شریف کے بعد موہڑہ شریف کے عمائدین کا ایک جرگہ حضرت پیر نظیر احمدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التجا کی کہ آپ واپس موہڑہ شریف تشریف لے چلیں اور عرس کی تمام مجالس کا انعقاد اسی جگہ پر کیا کریں۔ انہی ایّام میں حضرت باباجیؒ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ موہڑہ شریف جائیں کیونکہ آپ کو دربارِ عالیہ موہڑہ شریف کا سجادہ نشین مقرر کیا گیا ہے۔

چنانچہ 1947ء میں پاکستان قائم ہونے کے فوری بعد آپ مستقل طور پر موہڑہ شریف تشریف لے گئے اور سالانہ عرائس کی مجالس باقاعدگی سے جاری فرمائیں۔ اپنے وصال شریف (جولائی 1960ء) تک یہ سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔

پاکستان دستور ساز اسمبلی کے پہلے سپیکر (Speaker) مولوی تمیز الدین صاحب جو مشرقی پاکستان سے تھے وہ 1948ء میں موہڑہ شریف تشریف لائے اور اعلیٰ حضرتؒ سے بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ان کے بعد مرکزی حکومت کے مشرقی پاکستان کے کم و بیش تمام وزراء اور دیگر عمائدین اعلیٰ حضرتؒ کے دستِ حق پر بیعت ہوتے رہے۔

چنانچہ جناب مفیض الدین احمد، رمیز الدین خان، پرنسپل محمد ابراہیم خان، مسٹر سجان، لال میاں، مولانا فرید احمد، عطاء الرحمٰن وزیرِ اعلیٰ مشرقی پاکستان بمع اپنی کیبنٹ، خیرات الحسن، مسٹر داس، عبدالعزیز بسواس، فصیح الدین احمد، نذیر اللہ کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔ جو اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور فیض یاب ہوتے رہے۔

1958ء میں چھ ہفتہ کے لئے اپنی جماعت کے ساتھ حج پر تشریف لے گئے اور براستہ بغداد شریف پیرانِ پیر حضرت غوث الاعظمؒ کی زیارت سے مشرف ہو کر واپس تشریف لائے۔

معروف سلاسل طریقت میں سلوک طے کرنے کے مراحل، دعائیں، اذکار، اوراد و وظائف وغیرہ مخصوص ہیں۔ان میں یہ اختلاف لوگوں کی استعداد اور زمانے کے مقتضیات کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ زمانۂ ماضی میں مریدین سے کئی کئی سال کے مجاہدے کرائے جاتے، طویل مراقبات اور اورادِ کثیر پر توجہ مرکوز کی جاتی۔ مگر مرور زمانہ سے ان سلاسلِ طریقت میں بھی مغائرت پیدا ہوگئی ہے اور اکثر اصحاب اسی کو مقصود بالذات سمجھنے لگے ہیں۔

عصرِ جدید میں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آ گیا ہے، پریشانیاں بڑھ گئی ہیں، فرصت قلیل ہوگئی ہے۔ اگر چہ علم کی کثرت ہے مگر لوگوں میں تذبذب اور شکوک وشبہات کا دور دورہ ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرتؒ نے تجدید سلوک پر توجہ دی اور ایسی آسان تعلیم اختیار کی، جس سے مقصود تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ ان کی تعلیم کا محور طریقت نسبتِ رسول ﷺ کا حصول ہے۔ جس کے حصول کے لئے طالب اپنے آپ کو سن گیارہ ہجری میں حاضر سمجھے اور سیرتِ نبی پاک ﷺ کے مطابق اپنی رفتارِ زندگی کو قائم کرے۔

اعلیٰ حضرتؒ نے اپنی ساری زندگی اللہ پر توکل اس کی محبت اور اس کے حبیب نبی پاک ﷺ کی مکمل غلامی میں بسر کی۔ وہ ساری زندگی طریقتِ نسبت رسول ﷺ کی تعلیم دیتے رہے۔ جس کا منتہائے مقصود یہی ہے کہ دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرتے ہوئے جملہ اوامر ونواہی میں نبی پاک ﷺ کی اطاعت و اتباع کو لازم پکڑا جائے۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

**مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه ﴿النساء:80﴾**

''جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''

نیز دین و دنیا میں سرفرازی اور کامرانی کا راز بھی اسی میں مضمر ہے اور یہی ہدایت کی ضمانت بھی ہے۔

**وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴿النور:54﴾** ''اگر تم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پالو گے۔''

چنانچہ اعلیٰ حضرتؒ کی تعلیمات حسبِ ذیل امور کی تشریح ہیں:

1۔ انسان اور کائنات۔

2۔ حیاتِ انسانی کا مقصود بالذات۔

3۔ دینِ اسلام جو نبی پاک ﷺ کا لایا ہوا دین کامل ہے اور باقی تمام ادیانِ سابقہ اس دینِ کامل کا جزو ہیں اور اب کسی اور آسمانی کتاب یا کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ نبی پاک ﷺ ہی خاتم النبین ہیں۔

4۔ قرآنِ کریم ہی ابتدائے آفرینش سے قیامت تک کے لئے کل حوادثاتِ عالم کا مصلح اور تمام اخلاقی امراض کا معالج اور شافی ہے۔

5۔ قرآن شریف نے دنیا والوں کو جو تعلیم دی ہے۔اس کے تین مدارج ہیں۔

(5.1) اسلام اور تکمیل اِسلام

(5.2) ایمان اور تکمیل اِیمان

(5.3) وصول الی اللہ

6۔ طریقت نسبت رسول ﷺ کی اہمیت۔

7۔ اسلام میں موجودہ فرقہ بندیاں۔

کچھ لوگوں نے دین میں مختلف فروعی مسائل میں اختلافات پیدا کئے۔ انہیں اُچھالا اور تشدد سے کام لیا اور نئے نئے فرقوں کو جنم دیا۔ یہ کاروائی دینی روح کے خلاف ہے اور شیطانی سازش ہے۔جس سے امتِ مسلمہ میں فسادات ابھر آئے ہیں۔قرآنی حکم ہے:

**اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ ﴿الانعام : 159﴾**

''جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہوگئے ان سے تم کو کچھ کام نہیں''

8۔ غریب اور نادار اہلِ ایمان لوگ تمام دنیا کی طاقتوں پر کس طرح غالب آئے اور آجکل کے مسلمان کیوں ذلیل وخوار ہیں۔

9۔ اولیاء اللہ کو کرامات وتصرفات اور ولایت کے مراتب کس طرح حاصل ہوتے ہیں۔اولیاء اللہ کی پہچان اور انکی حقیقت۔

10۔ حقیقی اولیاء اللہ اور رہبرانِ طریقتِ نسبت رسول ﷺ کے توسل کے بغیر معرفتِ الٰہی کا حصول ناممکن ہے اور غلط صوفی اور غلط پیر کی تقلید اور پیروی گناہ ہے۔

قارئین کی سہولت کے لئے اعلیٰ حضرتؒ کی تعلیمات کو مندرجہ ذیل چند ابواب میں شامل کیا گیا ہے:

## 1۔مکتوباتِ نظیریہ

اعلیٰ حضرتؒ کے تعلیم یافتہ غلام بیعت ہونے کے بعد اپنے اپنے مسائل اور اشکال گاہے گاہے تحریری طور پر پیش کرتے رہتے۔اعلیٰ حضرتؒ ان تمام اصحاب کو مکتوبات شریف کی صورت میں ہدایت فرماتے۔ چنانچہ ایسے

مکتوبات شریف جو مؤلف کو دستیاب ہو سکے ہیں ان کو باب نمبر 5 میں جمع کیا گیا ہے۔

## 2۔ خطباتِ نظیریہ

بسا اوقات سالانہ عرائس کے موقع پر علماء کرام سوالات پیش کرتے تو اعلیٰ حضرت مجالس کبریٰ کے موقع پر ان سوالات کے جوابات عطا فرماتے۔ ورنہ معمول یہ تھا کہ سال میں دو دفعہ (ماہ جون اور ماہ نومبر میں) عرس شریف کی مجالسِ کبریٰ کے موقع پر اعلیٰ حضرتؒ ایک نہایت بلیغ اور نصیحت افروز خطبہ ارشاد فرماتے۔ ایسے چند خطبات باب نمبر 6 میں جمع کئے گئے ہیں۔

## 3۔ ملفوظاتِ نظیریہ

اعلیٰ حضرتؒ کا دستور تھا کہ جب ان کی خدمت میں طالبین حاضر ہوتے تو آپ ان کے حسبِ حال اپنے چند ارشادات عطا فرماتے جو ان کی تربیت کے لئے ضروری ہوتے تھے۔ مؤلف کا اندازہ ہے کہ حاضرین کی روزانہ تعداد کم و بیش دو صد کے قریب ہوتی تھی۔ آپؒ حاضرین کی ذاتی سوچ اور سمجھ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ارشادات فرماتے۔ اور ان سے دریافت فرماتے کہ آیا ان کی سمجھ میں آ گیا ہے یا نہیں۔ بوقتِ ضرورت دوبارہ یا سہ بارہ بھی بیان فرما دیتے۔

مؤلف کا مشاہدہ ہے کہ اگرچہ اس دور میں علم کی بڑی کثرت ہے مگر دینی امور کے متعلق جہالت بھی بہت ہے۔ کئی دفعہ تو پڑھے لکھے لوگ اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کر دیتے مگر کئی دفعہ ایسا نہ ہوتا۔ اعلیٰ حضرتؒ حاضرین کے خیال اور رجحان کی اپنی توجہ اور علمی تشریح سے انکی تشفی فرما دیتے۔

چند تعلیم یافتہ اہلِ شوق طالبین اپنی ذاتی تعلیم کی خاطر ان ارشادات کو قلم بند کر لیتے تھے۔ مؤلف کے علاوہ اعلیٰ حضرتؒ کے ملفوظات جو رئیس الخلفاء جناب حاجی محمد سرفراز خاں صاحب، احسن الخلفاء جناب پیر احسن الدین صاحب اور جناب پیر محمد حسین قریشی صاحب نے قلم بند کئے تھے وہ تمام شاملِ کتاب ہیں اور ابواب نمبر 7 اور 8 میں درج ہیں۔

## 4۔ کراماتِ نظیریہ

اعلیٰ حضرتؒ کی کرامات کا احاطہ بہت مشکل کام ہے۔ ان میں سے معروف کرامات کا ذکر باب نمبر 9 میں موجود ہے۔

## اعلیٰ حضرتؒ کی علالت

1960ء کے ابتدائی مہینوں سے ہی اعلیٰ حضرتؒ کی طبیعت ناساز ہونی شروع ہوئی۔ جناب شہزادہ ہارون الرشید صاحب ہمہ وقت ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔ چنانچہ ان کی تجویز کے مطابق C.M.H مری کے میڈیکل سپیشلسٹ

لیفٹننٹ کرنل ڈاکٹر عطاء الحق اور لاہور کے معروف ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے زیر علاج رہے۔ قدرے افاقہ ہوتا۔ مگر پھر علالت کی شدت بڑھ جاتی۔ جون 1960ء کے سالانہ عرس شریف کی تاریخیں بھی مقرر ہو چکی تھیں۔ لہٰذا 25 جون 1960ء کو مجلس کبریٰ منعقد ہوئی۔ اعلیٰ حضرتؒ کی طبیعت کافی ناساز تھی مگر انہوں نے مجلس کبریٰ میں شامل ہونا ضروری سمجھا۔ چنانچہ ڈانڈی میں بیٹھ کر مجلس میں تشریف لے گئے اور اپنا الوداعی خطبہ عطا فرمایا۔ یہ خطبہ بھی خطباتِ نظیریہ (باب نمبر 8) میں شامل ہے۔

چند ایام کے بعد طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ لہٰذا ڈاکٹر عطاء الحق کے مشورے کے مطابق انہیں 6 جولائی کو C.M.H مری میں داخل کیا گیا۔ آپؒ فرماتے تھے کہ علاج کروانا سنتِ نبوی ہے جس کی میں پیروی کر رہا ہوں ویسے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز ہارون الرشید کا اس علاج پر اصرار ہے اور میں اسے ناراض کرنا نہیں چاہتا۔ آپؒ اپنے مولا کی رضا میں راضی و شاکر و صابر رہے۔ وہاں ایک ہفتہ کے قیام کے بعد ڈاکٹر عطاء الحق نے C.M.H راولپنڈی میں منتقل کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ 13 جولائی کو انہیں راولپنڈی منتقل کر دیا گیا۔

## اعلیٰ حضرت C.M.H راولپنڈی میں زیرِ علاج

C.M.H راولپنڈی کے قیام کے دوران وہ کرنل ڈاکٹر عبدالبصیر صاحب کے زیر علاج رہے۔ آفسرز وارڈ کے روم نمبر 7 میں قیام رہا۔ اس دوران تیماردار، عقیدتمندان اور اعزہ و اقارب اور دیگر احباب حاضر ہوتے رہتے مگر چونکہ اعلیٰ حضرتؒ کی علالت کی شدت زیادہ تھی لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے ملاقاتیوں پر سخت پابندی عائد کر رکھی تھی۔ اس لئے پرسانِ حال آتے، حالات معلوم کرتے اور واپس چلے جاتے۔

19 جولائی کو ایک قابلِ ذکر واقعہ ہوا۔ پچاس ساٹھ عقیدتمندوں کا ایک جرگہ حاضر ہوا۔ مگر ڈاکٹر صاحب کے احکام کے مطابق اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں حاضری تو نہ ہو سکی مگر اعلیٰ حضرتؒ نے انہیں پیغام دیا کہ وہ سب واپس جائیں۔ ان کی ملاقات موہڑہ شریف میں 22 جولائی کو ہوگی۔ چنانچہ وہ لوگ ایک قطار کی صورت میں واپس ہوئے۔ اتفاقاً اسی وقت ہسپتال کے احاطہ میں ایک بڑ کے بڑے درخت کے نیچے جناب ہارون الرشید صاحب، حاجی محمد سرفراز خان صاحب اور راقم الحروف تینوں کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ جرگہ کے یہ لوگ ہمارے قریب سے گزرے اور باہمی مشورہ کرتے جا رہے تھے کہ چونکہ اعلیٰ حضرتؒ 22 جولائی کو صحت یاب ہو کر موہڑہ شریف چلے جائیں گے لہٰذا ہم لوگ 23 جولائی کو ان کی ملاقات کی خاطر موہڑہ شریف جائیں گے۔ ان کی باتیں سن کر جناب حاجی صاحب نے راقم الحروف سے دریافت کیا کہ 22 جولائی کو کیا دن ہوگا۔ چنانچہ بتایا گیا کہ اس روز **جمعۃ المبارک** ہوگا۔ اس پر جناب حاجی صاحب

نے پُرملال لہجہ میں کہا۔ خدا خیر کرے۔ اِن اصحاب کو **جمعة** المبارک کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا خدشہ پیدا ہوا تھا۔

21 جولائی بروز جمعرات اپنے پرانے خادم خلیفہ محمد حسین قریشی صاحب کو فرمایا کہ کاغذ اور قلم لے آؤ۔ چنانچہ وہ ہسپتال کی کینٹین سے کاغذ اور قلم لے آئے۔ جناب قریشی صاحب کو حکم دیا کہ چند خطوط لکھنے ہیں۔ چنانچہ چار عدد مکتوب شریف املاء تحریر کروائے جن میں سے پہلا مکتوب شریف جناب صدرِ پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے نام تھا۔ جس میں دفاعِ پاکستان کے ایک اہم معاملے کی طرف ان کی توجہ دلائی گئی تھی۔ نیز یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ انہوں نے اپنے نورِ نظر حضرت پیر ہارون الرشید کو اپنا سجادہ نشین مقرر کر دیا ہے۔ ان ایّام میں صدرِ مملکت بیرونِ ملک تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر ان کی طرف سے جواب موصول ہوا جس کی نقل شاملِ کتاب ہے۔ (صفحہ: 214)

22 جولائی بروز **جمعة** المبارک اعلیٰ حضرتؒ صبح سے ہی **یَا حَسِیْبَ الْوَکِیْل** کا ورد جاری کئے ہوئے تھے۔ 11 بجے کے قریب بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ایک طرف ہاتھ بڑھا کر بڑے جذبے سے فرمایا ''ہٹ، دور ہو۔ مردود''۔ دو دفعہ ایسا کہا۔ اس کے بعد دھیمی آواز میں **اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ** پڑھا اور سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق بستر پر لیٹ گئے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اسی حالت میں اپنی جان اپنے مولا کے حضور پیش کر دی۔ یوں شریعت و طریقت (نسبتِ رسول ﷺ) کا یہ چمکتا دمکتا آفتاب اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ غروب ہو گیا۔

**اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ**

یہ سانحہ عظیم مورخہ 22 جولائی 1960ء بمطابق 1380 ہجری بروز **جمعة** المبارک پیش آیا۔ وصال شریف کے وقت آپؒ کا سن مبارک شمسی حساب سے تقریباً 80 سال اور قمری حساب سے تقریباً 82 سال تھا۔ آپؒ کی نماز جنازہ موہڑہ شریف میں آپؒ کے خلیفہ مولانا غلام محمد پڑانگ صاحب نے پڑھائی۔ جس میں ہزارہا عقیدتمندان نے شمولیت کی۔ آپؒ کا عالی شان روضہ آپؒ کے فرزندِ دلبند اور آپؒ کے سجادہ نشین اعلیٰ حضرت پیر ہارون الرشید صاحب مدظلّہ العالی نے تعمیر کروایا جو زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

آپؒ کی ساری زندگی روشنی کا ایسا مینار ہے جس سے ہزاروں، لاکھوں انسان مستفیض ہوئے اور آئندہ ہوتے رہیں گے اور آپ کے کلماتِ قدسیہ کے نور سے اپنی تاریک راہوں کو روشن و منور کرتے رہیں گے۔ انشاءاللہ۔

**ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق**
**ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما**

# صدرِ مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کا جوابی خط

From: Mr.Q.U. Shahab, SQA.,CSP.,
Secy.to the President.

No.D.9367-Res/60
PRESIDENT'S HOUSE,
RAWALPINDI.
23rd August, 1960.

Dear Mr. Qureshi,

I am desired by President Mohammad Ayub Khan to thank you for your letter of 9th August, 1960, enclosing a letter dictated to you by the late Pir Sahib of Mohra Sharif. The President was touched to receive this kind letter and has observed that he is fully cognizant of the position described therein.

Yours sincerely,

Q.U.Shahab

(Q. U. Shahab)

Mr.Mohammad Hussain Qureshi,
Administrative Officer,
Inspectorate of Army Stores
& Clothing,
Jail Road, Karachi-12.